Regd.# MC-1366

•جلد 09/•شمارہ 02/•اگست/2019

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

آزادی ایک عظیم نعمت

قربانی

قرآن اور پاکستان

ہرا بھرا جشن آزادی

عید تو اب ہوئی

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

WWW.BAITUSSALAM.ORG

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

ORDER NOW FROM OUR WEBSITE: **WWW.THEBURGERSHACK.PK**

OR CALL US AT **111-827-827!**

YOU CAN ALSO VISIT **OUR SMCHS** AND **BAHADURABAD** OUTLETS TO ENJOY DINE-IN FACILITIES.

OUR OUTLETS

D.H.A. Phase 7 Seher Commercial Area, Karachi 75500, Pakistan	Zamzama Mall D.H.A. Phase 5, Karachi 75500, Pakistan	Sindhi Muslim Society, Karachi 75500, Pakistan
Lucky One Mall, Federal B Area Block 21 Gulberg Town, Karachi 75500, Pakistan	The Forum Food Street, Clifton, Karachi 75500, Pakistan	Malir Link Road, Jinnah Ave, Malir Cantonment,Karachi

ماہنامہ
فہم دین
کراچی

اگست 2019ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر بھٹو
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	نوید فرید

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ :	40 روپے
سالانہ فیس :	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک :	35 ڈالر

ناشر	مطبع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

زیرِ سرپرستی
مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

فہم وفکر

قربانی	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

قرآن اور پاکستان	ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی	10
جامعہ بیت السلام میں افتتاحی درسِ حدیث	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	12
بچوں کو وقت دیجیے	محمد سعد صالح	14
حضرت ربیعہ بن فرّوخ رحمۃ اللہ علیہ	حذیفہ رفیق	16
وطن اپنا	اہلیہ کمال احمد خان	17
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	18
باورچی خانہ اور ہماری صحت	حکیم شمیم احمد	20

خواتینِ اسلام

منزل کی تلاش	عاتکہ سلیم	23
ہجرت	بنتِ گوہر	24
مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	جنید حسن	25
باپ کا بیٹی کے نام خط	محمد دانش	27
قربانی	اہلیہ مظفر	28

باغیچہ اطفال

ہرا بھرا جشنِ آزادی	اُمّ مصطفیٰ	31
بچوں کے فن پارے		32
وفادار پرندہ	ڈاکٹر الماس روحی	33
عید تو اب ہوئی	احمد رضا انصاری	34
انعامات ہی انعامات		37
قربانی کا رنگ	محمد فیصل علی	38
ہم ایک ہیں	اہلیہ محمد فیصل	40
ننھے ادیب		41
بنٹو بکرا	سویرا فلک	42

بزمِ ادب

حی علی الفلاح، حی علی الصلوٰۃ	جوہر عباد	44
گلدستہ		45

اخبار السلام

خبرنامہ	ادارہ	46

رمضان المبارک کے آخری دس دِن اللہ نے ترکی کے بارڈر پر شام کے علاقے اِدلب میں شامی مہاجرین کے ساتھ گزارنے کی توفیق عطا فرمائی
اس سفر میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا' ایک اور اہم بات جس میں میں اپنے قارئین کو شریک کرنا چاہتا ہوں' وہ قربانی کا مطلب اور مفہوم ہے۔
وہاں کے چند دِنوں میں ''قربانی'' کا مطلب جتنا آسانی سے سمجھ میں آیا' شاید اب تک کی اپنی زندگی میں اُتنا سمجھ نہ آیا۔
یہ بات تو طے ہے' جسے قرآن بیان کرتا ہے کہ اللہ نے انسان کی جان و مال کو جنت کے عوض میں خرید رکھا ہے
اور اس کا اتنا مطلب بھی علمائے کرام سے تعلق رکھنے والا یا منبر و محراب سے محبت کرنے والا سمجھتا ہے کہ
جسم و جان کو بھی اللہ کی اطاعت میں لگانا ہے اور مال و دولت کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور بدلے میں اللہ تعالیٰ جنت دیں گے'
لیکن اس آیت کے مطلب میں سعادت کا یہ اعلیٰ درجہ بھی شامل ہے کہ
جسم و جان کو بالکل ہی قربان کر دیا جائے اور مال و دولت کو اللہ کی راہ میں بے دریغ لٹایا جائے' یہ شامی مہاجرین کے خیموں میں جا کر سمجھ میں آیا۔
مہاجرین کا امتحان اللہ تعالیٰ جسم و جان دونوں کی قربانی سے لیتا ہے'
جبکہ اللہ اور دینِ اسلام اور مجبور مہاجر بھائیوں کے لیے انصار بننے کے لیے صرف مال کی ضرورت ہوتی ہے
مہاجر اللہ پوچھ کر نہیں بناتا' بلکہ اللہ تکوینی اور تقدیری طور پر جس علاقے کو آزمائش میں مبتلا کر دیتے ہیں اور ظالم دشمن وہاں قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو
نتیجے میں وہاں کے باشندوں کو جان کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے اور مال کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ فرق صرف شکوے اور تقدیر پر راضی رہنے کا ہے
جو ہجرت بھی کرتا ہے اور شکوہ بھی کرتا ہے' وہ اپنا ثواب کھو ٹا کر بیٹھتا ہے اور جو تقدیر کے فیصلے پر راضی رہتا ہے' وہ جنت کا حق دار اور خدا کا محبوب بن جاتا ہے
شامی مہاجرین کی یہ ہجرت واقعی اسی جذبے کے ساتھ تھی' انھوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی' اپنے پیاروں کی جدائی کا غم سہا' کئی عمر بھر کے لیے معذور ہو گئے'
بسے بسائے گھر چھوڑنے پڑے' چلے چلائے کاروباروں سے محروم ہونا پڑا۔ سب اللہ کی رضا کے لیے کر کے انھوں نے میرے اور آپ کے دین کو محفوظ کر دیا
اللہ تعالیٰ شامی مہاجرین کو اس قربانی پر اپنی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ اب مسئلہ آ پھنسا ہے میرے اور آپ کے اوپر!!!
ہم انصار ٹھہرے' مگر انصار کسی بھی علاقے کے لوگ غیر اختیاری طور پر نہیں بنتے' بلکہ انصار بننے میں آفت زدہ علاقے کے گرد و نواح میں بسنے والے
مسلمانوں کے اختیار کو دخل ہوتا ہے' کہ وہ مال کی قربانی۔۔۔جی صرف مال کی قربانی۔۔۔ دینے پر راضی ہوتے ہیں یا نہیں!
اللہ جزائے خیر دے مدینہ منورہ کے انصاریوں کو جنھوں نے اسلام کی سربلندی اور اپنے مسلمانوں بھائیوں کی مدد کے لیے مال کی قربانی دینے کا حق ادا کر دیا۔
اور انھی کے نقشِ قدم پر شام کے موجودہ بحران میں اہلِ پاکستان میں سے بھی بہت سے خوش قسمتوں نے دِل کھول کر امداد دی'
قارئین گرامی! ابھی چند دِنوں بعد عیدِ قربان آ رہی ہے اور اس موقع پر ہمیں ایک بار پھر اپنے ''جذبۂ قربانی'' کی تجدید کی ضرورت ہے
ہمیں اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ کیا واقعی ہم اللہ کے حکم اور دینِ اسلام سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا اپنی جان اور اپنا مال ہمیں اس سے بھی زیادہ عزیز ہے؟؟؟
کیا واقعی ہم نے بھی انصارِ مدینہ کی طرح اس مصیبت کی گھڑی میں مال کی قربانی دینے کی ٹھان کر
اللہ تعالیٰ سے جنت کا سودا کر لیا ہے یا ابھی ہمیں اپنے ایمان پر مزید محنت کی ضرورت ہے؟؟؟
قارئین! بات سادہ سی ہے اور نفع کروڑوں سال کا کہ یہ گھڑی اگرچہ مصیبت اور پریشانی کی ہے' مگر ہم اسے غنیمت سمجھیں اور
عیدِ قربان پر بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے ساتھ مل کر اپنے پاکستانی غریب بہن بھائیوں اور اپنے شامی مہاجرین کو قربانی کے بابرکت گوشت کا تحفہ ضرور دیں اور
اسی طرح دُنیا بھر میں غریب مسلمانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے مال کی نعمت کی تھوڑی سے قربانی دینے کا فیصلہ کر کے اپنے لیے جنت ضرور سمیٹ لیں
اور امت مسلمہ کو مسکراہٹوں اور راحتوں کا تحفہ دے کر گنبدِ خضرا کے مکین کی شفاعت کے حق دار ضرور بننے کی کوشش کریں۔ والسلام!

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

مدیر کے قلم سے

قربانی

فہمِ قرآن

آلِ عمران 173-178

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ 173

ترجمہ… وہ لوگ، جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ ”یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا۔“ تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ ”ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“ 173

تشریح نمبر 1: جب کفّارِ مکہ اُحد کی جنگ سے واپس چلے گئے تو راستے میں انھیں پچھتاوا ہوا کہ ہم جنگ میں غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس آگئے، اگر ہم اور زور لگاتے تو تمام مسلمانوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ اس خیال کی وجہ سے انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹنے کے ارادہ کیا۔ دوسری طرف آنحضرت ﷺ نے شاید ان کے ارادے سے باخبر ہو کر یا اُحد کے نقصان کی تلافی کے لیے جنگِ اُحد کے اگلے دن سویرے صحابہ میں یہ اعلان فرمایا کہ ”ہم لوگ دشمن کے تعاقب میں جائیں گے اور جو لوگ جنگِ اُحد میں شریک تھے، صرف وہ ہمارے ساتھ چلیں۔“ صحابہ کرام اگرچہ اُحد کے واقعات سے زخم خوردہ تھے اور تھکے ہوئے بھی تھے، مگر انھوں نے حضور ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہا، جس کی تعریف اس آیت میں کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو وہاں قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص ”معبد“ آپ ﷺ سے ملا، جو کافر ہونے کے باوجود آپ ﷺ سے ہمدردی رکھتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے حوصلے کا خود مشاہدہ کیا اور جب وہاں سے نکلا تو اس کی ملاقات کفّارِ مکہ کے سردار ابوسفیان سے ہوگئی، اس نے ابوسفیان کو مسلمانوں کے لشکر اور اس کے حوصلے کے بارے میں بتایا اور مشورہ دیا کہ وہ لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس چلا جائے۔ اس سے کفّار پر رعب طاری ہوا اور وہ واپس تو چلے گئے، لیکن عبدالقیس کے ایک قافلے سے جو مدینہ منورہ جا رہا تھا، یہ کہہ گئے جب راستے میں ان کی ملاقات آنحضرت ﷺ سے ہو تو ان سے یہ کہیں کہ ابوسفیان بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے ان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اس خبر سے مسلمانوں پر رُعب پڑے، چناں چہ یہ لوگ جب حمراء الاسد پہنچ کر آپ ﷺ سے ملے تو یہی بات کہی، لیکن صحابہ کرام نے اس سے مرعوب ہونے کے بجائے، وہ جملہ کہا جو اس آیت میں تعریف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

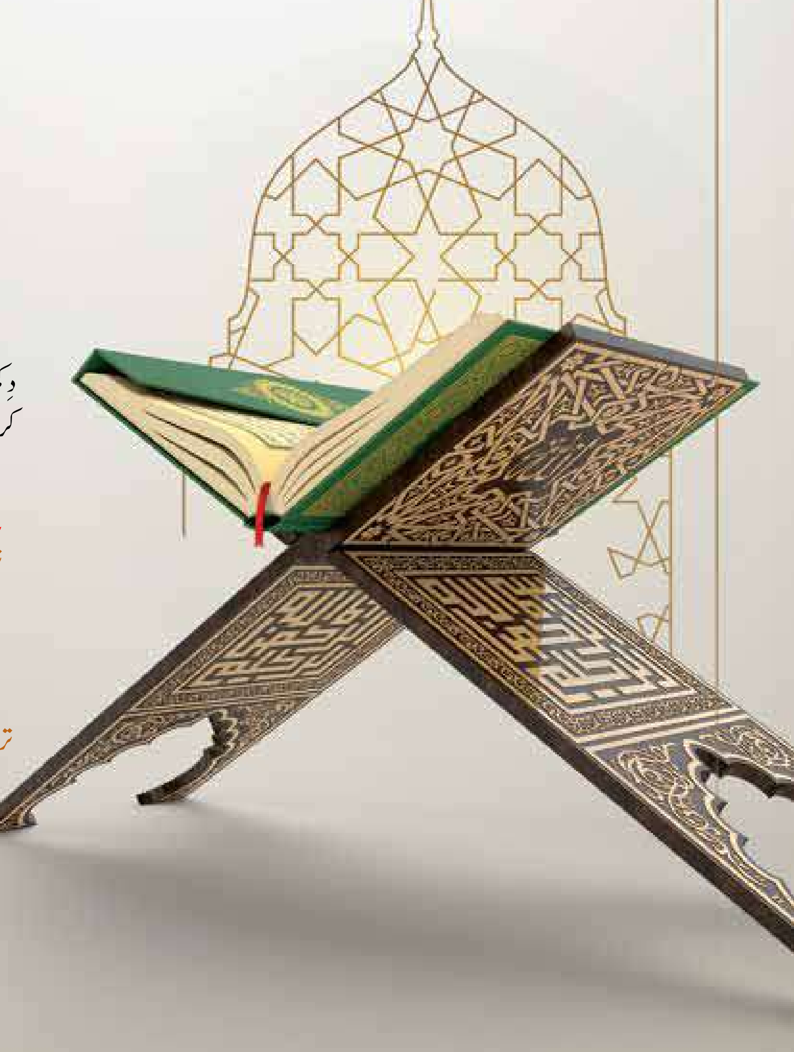

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ 174

ترجمہ… نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انھیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی خوش نودی کے تابع رہے اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ 174

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠
فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ 175

ترجمہ… درحقیقت یہ تو شیطان ہے، جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ اور بس میرا خوف رکھو۔ 175

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ 176

ترجمہ… اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھا رہے ہیں، وہ تمہیں صدمے میں نہ ڈالیں۔ یقین رکھو! وہ اللہ کا ذرا بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے زبردست عذاب (تیار) ہے۔ 176

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ 177

ترجمہ… جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا ہے، وہ اللہ کو ہرگز ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لیے ایک دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ 177

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ
اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ 178

ترجمہ… اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم انھیں جو ڈھیل دے رہے ہیں، وہ ان کے لیے کوئی اچھی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو انھیں صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں، تاکہ وہ گناہ میں اور آگے بڑھ جائیں اور (آخرکار) ان کے لیے ایسا عذاب ہوگا، جو انھیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ 178

فہم حدیث

حج کی فرضیت

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ:
اَلْحَاجُّ وَ الْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (سنن ابن ماجہ)

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا یُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَ الرَّاحِلَةُ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا کہ ”کیا چیز حج کو واجب کر دیتی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سامانِ سفر اور سواری۔“ (جامع ترمذی، سنن ابنِ ماجہ)

تشریح نمبر 1: قرآن مجید میں فرضیتِ حج کی شرط کے طور پر ”مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا“ فرمایا گیا ہے، یعنی حج ان لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکہ معظّمہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابی نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس کی استطاعت کا متعیّن معیار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک تو سواری کا انتظام ہو، جس میں مکہ معظّمہ تک سفر کیا جاسکے اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لیے اتنا سرمایہ ہو، جو اس زمانہ سفر کے گزارے کے لیے کافی ہو۔

فقہائے کرام نے اس گزارے میں ان لوگوں کے گزارے کو بھی شامل کیا ہے، جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّ رَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰی بَیْتِ اللّٰهِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلَا عَلَیْهِ اَنْ یَّمُوْتَ یَهُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا وَّ ذَالِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ
وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا

ترجمہ: حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے پاس سفرِ حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسّر ہو، جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے، ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔“

(جامع ترمذی)

تشریح نمبر 2: اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے بڑی سخت وعید ہے جو حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ)۔۔۔ یہ اس طرح کی وعید ہے جس طرح ترکِ نماز کو کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے: اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (الروم: 30،31)۔۔۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ صلوۃ مشرکوں والا عمل ہے۔ حج فرض ہونے کے باوجود، حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی، کیوں کہ مشرکینِ عرب حج کیا کرتے تھے، لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، اس لیے ترکِ نماز کو مشرکوں والا عمل بتلایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لیے جو سخت وعید ہے، اس کے لیے سورۂ آلِ عمران کی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے، جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، یعنی لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کا یہ ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا، یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے، وہ اس کے آگے والا حصہ ہے، یعنی وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافرانہ رویّہ اختیار کرے، یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے)۔۔۔ اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویّے کو ”مَنْ كَفَرَ“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ”اِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ“ کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں تو اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

Fruiti-O
NECTARS & FRUIT DRINKS
Real Taste of Nature
INTRODUCING FRUITI-O NECTAR
IN 1 LITRE BOTTLE
Fruiti-O
Pomegranate Nectar
1 Litre
Fruiti-O
Mango Nectar
Net Content:
1 Litre
Fruiti-O
Guava Nectar
1 Litre
www.fruitio.com.pk
fruitioPakistan

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللہ

آزادی ایک عظیم نعمت

یہ اگست کا مہینہ ! اہلِ وطن کے لیے ایک تاریخ رکھتا ہے۔لوگوں کی مختلف ذہنیتیں تھیں۔ایک ذہن یہ تھا کہ اس دن پونے دوسوسال انگریز کا تسلّط ختم ہوا'ایک ذہنیت یہ تھی کہ برِّصغیر دو حصوں میں تقسیم ہوااور ایک ذہنیت یہ تھی کہ روئے زمین پر ایک نئے اسلامی ملک کا قیام ہوا۔ان تینوں ذہنیتوں کے پیچھے اپنے اپنے مقاصد تھے۔بہر حال ! اس مہینے کی ایک تاریخ ساز تاریخ میں روئے زمین پر ایک نیا اسلامی ملک پاکستان کی شکل میں وجود میں آیا۔ مسلمانوں کو ملک کی آزادی اور مسلمان قوم کو آزادی کا ملنا حقیقت میں اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

یہ آزادی حقیقت میں ایک بلند مقصد کے لیے بہت بڑا وسیلہ ہوا کرتی ہے کہ مسلمان قوم کو ایک ظالم 'ایک جابر 'ایک لادین 'ایک بے دین قوم سے جب آزادی ملتی تو اسے ایک ایسی فضا میسر آتی ہے کہ جس میں رہ کر وہ اپنی دنیا وآخرت رب کی رضا کے مطابق سنوار سکتا ہے' یہ آزادی کا بنیادی مقصد ہوتا ہے کہ آزاد فضا مسلمانوں کو نصیب ہو۔اب یہ غلامیت کی زندگی نہیں' بلکہ اب یہ اپنی سوچ کے لحاظ سے اور اپنی فکر کے لحاظ سے آزاد ہے کہ یہ آزادی کے ساتھ اللہ کے دین پر عمل پیرا ہو اور اپنی دنیا بھی اپنے رب کی رضا کے مطابق اور اپنی آخرت بھی اپنے مولا کی رضا کے مطابق بنا سکے۔یہ اس آزادی کا ایک بڑا مقصد ہوتا ہے اور اسی مقصد کے پیشِ نظر آزادی مسلمانوں کے لیے اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

جس طرح سیاسی اور جغرافیائی سرحدوں کے لحاظ سے مسلمان قوم کو آزادی کے لیے بہت بڑی محنت اور جِدّوجُہد کرنی پڑتی ہے 'اسی طرح اس آزادی کی تکمیل کے لیے بھی اور اس حقیقی آزادی کو حاصل کرنے کے لیے بھی مسلمانوں کو ایک بڑی محنت اور توانائیاں صرف کرنی پڑتی ہیں ۔۔۔لیکن یہ بد قسمتی سمجھیے کہ وطنِ عزیز کو یہ آزادی تو ملی 'لیکن مسلمان اس سے وہ مقصد پورے نہ کر پائے' جو اس آزادی کا اصل مقصد تھا۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جیسے یہ ادھوری آزادی ہے تو اب اس کی تکمیل ہوتی 'اس آزادی کے بعد حقیقی قدم اٹھایا جاتا اور ایک حقیقی آزادی کی دولت سے فائدہ اٹھایا جاتا' مگر یہ نہ کر پائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ظالم' جابر کی غلامیت سے نکلے اور یہ بھول گئے کہ اگر ایک اور قدم آگے نہ بڑھایا اور حقیقی آزادی حاصل کرنے کے لیے توانائیاں نہ لگائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ظالم ان کے اندر سے بھی پیدا ہونے لگ جائیں گے ۔ غیر اقوام سے آزادی حاصل اس لیے کی کہ وہ ہمارے ساتھ دشمنوں کا سا برتاؤ کرتا تھا' وہ ہم پہ ظلم ڈھایا کرتا تھا'لیکن جب آزادی حاصل ہوگئی تو بے فکر ہوگئے ' پھر کیا ہوا کہ اپنوں میں کئی ایسے ہوگئے 'جو ہمارے ساتھ وہی روّیہ اختیار کرتے ہیں 'جو ایک آقا اپنے غلام کے ساتھ کرتا ہے اور جو ایک دشمن ' دشمن کے ساتھ کرتا ہے ' جیسے اپنے دشمن کو ذلیل اور رُسوا کرنے میں خوشی ہوتی ہے 'ایسے ہی اپنوں کو ذلیل اور رُسوا کر کے ان کو مزہ آتا ہے۔

آزادی سرحدوں کے لحاظ سے تو حاصل ہوئی 'لیکن جو آزادی کا اصل مقصد پیشِ نظر تھا کہ اس کا کردار' اس کی سیرت سازی' اس کے اخلاق 'اس سانچے میں ڈھلتے' جو سانچہ

اللہ کے پیغمبر لے کے آیا کرتے ہیں۔۔۔جس سے قومی سطح پر اور عوامی سطح پر ایسی فضا بنتی کہ مسلمان آسانی کے ساتھ اپنے پیغمبر کے طریقے پر اپنی زندگی گزارتا اور جس سے اُس کا کردار، اُس کی سیرت، اُس کے اخلاق بلند و بالا اور بالاتر ہوتے، جس کی وجہ سے یہ حقیقی آزادی سے لطف اندوز ہوتا، اگر اس روش پہ آج محنت نہ ہوئی تو اس کا نتیجہ وہ نکلے گا جو ذہنیت قرآن نے ذکر فرمائی ہے کہ ”دو فریق حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور ان میں سے ایک فریق نے کہا: ”یہ میرا بھائی ہے۔اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں۔آپ میرے ساتھ انصاف کیجیے۔اس ظالم کو دیکھیے کہ اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں، پھر بھی یہ کہتا ہے کہ جو میرے پاس رہی سہی ایک بھیڑ ہے وہ بھی اسے مل جائے، تاکہ اس کی سو بھیڑیں پوری ہو جائیں۔“

جب کردار کی محنت نہیں ہوتی، سیرت کی محنت نہیں ہوتی اور انسانیت کی محنت نہیں ہوتی تو پھر اپنوں میں سے ایسے بھیڑیے اٹھتے ہیں کہ جن کی خواہشات کی فہرست ختم ہی نہیں ہوتی، ان کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ اپنے ملک کے باشندوں کی جو ضرورت ہے، وہ بھی ان کی جھولی میں آجائے۔ باہر کے ظالم سے جب آزادی ہوئی تو اندر کے ظالم پیدا ہونے لگتے ہیں، اندر سے ہی دشمن پیدا ہونے لگتے ہیں، اندر سے ہی ذلیل کرنے والے پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہ قوم آزادی کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے۔

اس ملک کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے یہ ملک عطا فرمایا تھا اور اس پر تمام مؤرّخین کا اتفاق ہے کہ ستّر سال پہلے کا وہ دن، جس دن مشرقی پنجاب، بنگال، بہار، یوپی۔۔۔جہاں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے قیامتِ صغریٰ ہے۔بہنوں کی عزّتیں، آبروئیں، عِفّتیں تار تار ہوئیں اور اس پر ہر مؤرّخ کا اتفاق ہے کہ ان سارے خون بہانے والوں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے اس آزادی کے لیے قربانیاں دیں، لیکن اس آزادی کا فائدہ مسلمان نے کتنا اٹھایا۔۔۔؟ کتنا اس حقیقی آزادی سے لطف اندوز ہوئے؟ ایک تو یہ سیاسی آزادی اپنی جگہ کہ ایک حصہ تو ہم سے جا چکا ہے اور دوسرا کہ ہر طرف نفرتوں کی آبیاری کی جا رہی ہے اور ساتھ ساتھ اخلاقی زوال کا حال دیکھیے، اپنے ملک کی متعفن فضا دیکھیے، اپنی قیادت کا حال دیکھیے اور قومی امور، قومی ذمہ داریوں پر، قومی راہ نماؤں کا حال دیکھیے۔۔۔! یعنی اخلاقی زوال کی کوئی انتہا بھی ہوتی ہے۔۔۔۔اس روئے زمین پر جو بھی قوم برباد ہوئی ہے، وہ اپنے اخلاقی زوال کی وجہ سے برباد ہوئی ہے۔ بھوک کی وجہ سے نہیں، پیاس کی وجہ سے نہیں، وہ صرف اپنے اخلاقی زوال کی وجہ سے برباد ہوئی ہے۔

اللہ نے یہ آزادی کی نعمت دی تھی۔یہ بہت بڑی نعمت تھی۔ایک میدان ملا تھا کہ مسلمان اپنے کردار سازی پر، اپنی سیرت پر اور اپنے اخلاق پر پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق نظر رکھیں! توجہ دیں! اپنی نسل کی تربیت کریں اور ایک ایسی مبارک فضا بنائیں کہ دنیا ان کا مبارک ماحول دیکھنے کے لیے آئے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اگرچہ اپنی قوم کو آج کی جدید ایجادات نہیں دیں، جیسے یورپ نے آج نئی نئی ایجادات دیں ہیں، لیکن انسانیت نے ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے انسان دیے ہیں۔

آج بھی اگر انسانیت سے پوچھا جائے کہ ابو بکر کا نظامِ زندگی چاہیے، نظامِ حکومت چاہیے؟ یا جدید آلات چاہییں؟ تو سسکتی ہوئی انسانیت کہے گی کہ مجھے ابو بکر جیسا نظامِ حکومت چاہیے، اس لیے کہ وہاں انسانیت تو زندہ تھی، انسانی قدریں تو موجود تھیں، انسانیت کے درد کا تو احساس تھا، وہاں حقیقی غم، ایثار اور ہم دردی تو موجود تھی، وہاں سچی محبت اور خلوص تو موجود تھا۔آج یورپ نے یہ جدید آلات تو دے دیے، لیکن آج ساری دنیا میں انسانیت سسک رہی ہے، چیخ رہی ہے، چلّا رہی ہے کہ اسے کسی کروٹ، کسی پہلو سکون نہیں مل رہا تو اللہ کے پیغمبر ﷺ نے حقیقی آزادی کا لطف اٹھانے کے لیے راہیں بتائی ہیں، تاکہ انسانیت کی تربیت ہو، لیکن بدقسمتی سے یہ وطنِ عزیز جغرافیائی لحاظ سے آزاد تو ہو گیا، لیکن پونے دو سو سال تک، جب تک برِّصغیر میں انگریز رہا، اس نے مسلمانوں پر تین خطرناک بیماریاں مسلّط کیں، ایک جاگیردارانہ نظام، جن کی اولادوں کو بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں پڑھا کر، پھر انھیں جاگیریں دیں اور پھر انھیں قومی اداروں کی ذمہ داریاں دیں تو اسے اطمینان ہو گیا کہ اب یہ میرے نوکر اور فرماں بردار اور ہمیشہ میری اطاعت کے مطابق چلتے رہیں گے، دوسرے یہ کہ وہ برّصغیر میں فرقہ واریت اور دین کی بنیاد پر فتنے کھڑے کر گیا اور تیسرا بدقسمتی سے وہ نظامِ تعلیم ایسا دے گیا، کہ رنگ کے لحاظ سے یہ مسلمان ہے، مگر سوچ اور فکر کے لحاظ سے وہی انگریز ہے۔ذہنیت، سوچ اور فکر وہی غیروں کی ہے کہ جس طریقے سے غیر، اسلام پر اعتماد نہیں رکھتا، ایسے ہی یہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والی مخلوق، اگر اس کا نظامِ زندگی ایمان کے مطابق نہ ہوا تو اسے بھی اسلامی زندگی پر اعتماد نہ رہے گا۔اس کا یہ ایمان ہی نہ رہا کہ اسلام اس دور کا نجات دہندہ ہے۔

میرے وطنِ عزیز کی سلامتی، بقا اور تحفّظ اور میری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ترقی صرف اسلام کے طرزِ زندگی کے اندر ہے۔آج اس نئی نسل کا اسلام کے بارے میں یہ اعتماد ہی نہ رہا، بلکہ یہ ذہنیت بن چکی ہے کہ (نعوذ باللہ!) ترقی کے اس دور میں اسلام کی راہ پہ چلنا اپنے آپ کو صدیوں سال پیچھے ڈال دینا ہے۔

یہ اس غلط نظامِ تعلیم کا اثر ہے۔جب صدیوں پہلے جبلِ زیتون پر ایک پادری کی قیادت میں اس برّصغیر میں کام کرنے والی ساری مشنریوں کو اکٹھا کیا گیا تو اس نے انھیں خوش خبری سنائی کہ تمھیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ تم اتنا بڑا بجٹ اس ملک میں خرچ کرتے ہو اور پھر بھی لوگ عیسائی نہیں بنتے۔ہمارا مشن یہ ہے ہی نہیں۔ہمارا مشن تو یہ ہے کہ اس کے باشندے عیسائی بنیں یا نہ بنیں، لیکن مسلمان نہ رہیں، یہ سوچ اور فکر کے لحاظ سے مسلمان نہ رہیں، تو آج ان کا اعتماد اسلام پر متزلزل ہے، کم زور ہے اس لیے کہ یہ لوگ اسلام کو کھرا سکّہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔۔۔تو انگریزوں نے برِّصغیر میں پونے دو سو سال تک جو خدمت کی ہے، اس سے یہ لوگ بڑے بڑے فتنے مسلمانوں میں چھوڑ کر گئے ہیں۔ایک وہ جاگیردارانہ نظام، دوسری طرف فرقہ واریت اور تیسرا غیروں کا وہ نظامِ تعلیم۔

وطن آزاد ہوا تھا، لیکن بدقسمتی سے اس آزاد وطن میں ہمارا تعلیمی نظام اپنا نہ رہا، ہمارا نظامِ حکومت اپنا نہ رہا، ہماری زندگی کا انداز اپنا نہ رہا، اس میں ہم سب غیروں کے محتاج رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں رہنے والے آج ہر طرف دست و گریبان نظر آتے ہیں۔آپ علاقہ غیر دیکھیے، آپ قبائل دیکھیے، آپ بلوچستان دیکھیے، آپ سندھ کا حال دیکھیے اور فرقوں کی بنیاد پر آگے بڑھتا ہوا دیکھیے، سیاسی جتھابندیوں کا روز کا تماشہ دیکھیے، ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک وطن کے ہیں ہی نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ہر طرف دشمنیوں کی ایسی بنیادیں ڈالی جا رہی ہیں، جو اس وطنِ عزیز کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں، لیکن اگر تربیت ہوتی، ایک نظامِ زندگی، ایک نظامِ تعلیم ہوتا، جس کی بنیاد آسمانی تعلیم ہے، آسمانی وحی ہے، اللہ کا قانون ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت ہے، اس سانچے میں اس قوم کی تربیت اور تعلیم ہوتی تو پروفیسر ہوتا، ڈاکٹر ہوتا، دانش ور ہوتا، تاجر ہوتا تو وہ بھی ایک مثال ہوتی، اس لیے کہ اس تعلیمی نظام سے پرورش ہوئی تھی۔تو سبحان اللہ! ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اجمعین، وہ مسجد کے امام بھی تھے، شریعت کی عدالت کے جج بھی تھے، قوم کے حاکم اور ذمہ دار بھی تھے، وہ بازار کے تاجر بھی تھے اور کھیتوں کے کاشت کار بھی تھے، لیکن سبحان اللہ! ان کا بلند کردار، ان کی بلند سیرت انسانیت کے لیے ایک ایسی ٹھنڈی چھاؤں تھا کہ جو بھی ان کے ساتھ ملتا اور معاملہ کرتا، وہ زندگی کی ایک راحت اور ٹھنڈک محسوس کرتا تھا۔

تو میرے عزیزو! وطنِ عزیز کی اس آزادی کے موقع پہ ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس پہلو کو رکھنا پڑے گا کہ آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت کا نظام ہم کیا بنانے جا رہے ہیں، وہی اس ملک کی آئندہ کی قسمت پر فائز ہونے والی ہے۔اللہ اس ادھوری آزادی کی ہمیں تکمیل بھی نصیب فرمائے اور پھر اس آزادی کا ہمیں حقیقی لطف بھی نصیب فرمائے۔

آج اتوار کا دن تھا۔ عبداللہ بھی باقی نوکری پیشہ لوگوں کی طرح گھر پر ہی تھا۔ اخبار کی سرخیوں سے فارغ ہو کر اس نے سوچا کہ چلو قرآنِ پاک کا مطالعہ کر لیا جائے،
اس نے وضو کیا، سر پر ٹوپی رکھی اور قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔
چھٹی کی وجہ سے اس نے آج شلوار قمیض پہن رکھی تھی جسے وہ لباس کم اور سلیپنگ ڈریس زیادہ سمجھتا تھا
کوئی ایک آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ اس کی بیوی بھاگتی ہوئی آئی کہ اس کا بیٹا گلی میں سائیکل چلاتے گر گیا ہے اور گھٹنے پر شدید چوٹ آئی ہے
خون تو رک گیا ہے، مگر ایکسرے کرانا ضروری ہو گا۔ عبداللہ نے بھاگم بھاگ گاڑی نکالی، بیوی اور بچے کو سوار کیا اور
شہر کے سب سے مشہور اور مہنگے ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔ بیوی بچے کو استقبالیہ پر اُتار کر اس نے گاڑی پارک کی اور
تیز تیز قدموں سے ہسپتال کے مین گیٹ کی جانب بڑھنے لگا۔ شلوار قمیض پہنے ہوئے، پیر میں چپل، سر پہ ٹوپی۔
عبداللہ آج پہچانا ہی نہ جا رہا تھا کہ وہ شہر کا کوئی قابلِ ذکر آدمی بھی ہے۔ بے خیالی میں اس نے قرآنِ پاک بھی اُٹھا لیا کہ اندر ویٹنگ روم میں پڑھتا رہے گا
ابھی عبداللہ گیٹ سے داخل ہوا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی: ”اوے کدھر منہ اُٹھائے جا رہا ہے، دفع ہو یہاں سے“
عبداللہ نے آس پاس دیکھا، چھٹی کا دن کوئی ذی روح موجود نہ تھا۔ اِتنے میں پیچھے سے آواز لگاتے سیکورٹی گارڈ نے عبداللہ کو جا لیا
”کدھر مرتا ہے، گیٹ سے باہر جا“ گارڈ نے نحوست بھرے لہجے میں کہا۔ عبداللہ کو ایسے الفاظ سننے کی عادت نہ تھی
ابھی وہ کوئی جواب دینے کے لیے سوچ ہی رہا تھا کہ ہسپتال کے اندر سے ڈاکٹر ناصر ملک جو کہ ایک ماہر نیورو سرجن تھے، آتے ہوئے دِکھائی دیے
وہ عبداللہ کے پرانے واقف کار تھے۔ دور سے ہی پہچان گئے۔ انھوں نے آواز لگائی۔
ڈاکٹر عبداللہ، سو نائس ٹو سِی یو۔ پلیز کم، ہیو آ ٹی۔ سرجن صاحب کو دیکھتے ہی سیکورٹی گارڈ رفو چکر ہو گیا اور عبداللہ اندر چلا گیا
چائے پی کر عبداللہ نے بیٹے کی خیریت لی اور واپس گیٹ پر چلا گیا، کچھ ہی دیر بعد وہ گارڈ نظر آ گیا۔ عبداللہ نے جا کر سلام کیا
اب گارڈ شرمندہ شرمندہ سا کھڑا تھا اور ایک ہاتھ سے سینے پر سجے نیم ٹیگ کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا
عبداللہ نے صورتِ حال کو بھانپتے ہوئے جیب سے سو کا نوٹ نکالا اور اُسے کہا: میں آپ کی شکایت کسی سے نہیں کروں گا، یہ روپے رکھ لو
صرف یہ بتاؤ کہ مجھے روکا کیوں تھا؟ میرے کپڑے بھی صاف ستھرے ہیں اور چال ڈھال بھی مناسب ہے
”جی سر، بس معاف کر دیں۔ جانے دیں۔ غلطی ہو گئی۔“ ”نہیں پلیز بتائیں! آپ کو کچھ نہیں کہوں گا۔“
”جی، دراصل وہ کینٹین کے باہر اور بھی کئی جگہوں پر جوان لڑکے ہاتھ میں قرآن لیے بھیک مانگتے ہیں
جلدی میں میری نظر آپ کے ہاتھ میں پکڑے قرآنِ پاک پر پڑی تو میں سمجھا آپ بھی بھکاری ہیں۔“
لاالٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ کے نام پر بنائے جانے والے اِس دیس میں قرآن کی اِس تشریح پر عبداللہ کئی دن بول ہی نہ سکا۔۔۔۔!!

قرآن اور پاکستان

ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی

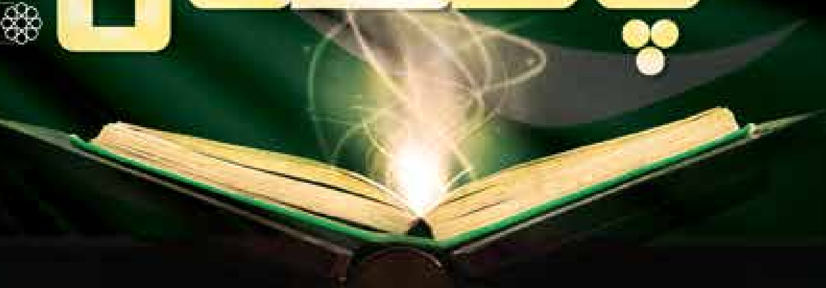

Perfect®
Freshener
رہو خوشبوؤں میں
Eid ul Adha
Mubarak
Perfect!
introducing a
new mesmerizing
fragrance of
~Oudh~
Perfect®
Freshener
Room
Freshener
OUDH
عود
LA PERFUME
Dry
300 ml e
perfectairfreshener
PFreshener
www.se.com.pk
https://www.daraz.pk/shop/house-of-perfect
Imported & Marketed by
Shakeel Enterprises
www.se.com.pk

جامعہ بیت السلام کراچی میں

حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی آمد اور

افتتاحی درسِ حدیث

حضراتِ علمائے کرام اور میرے عزیز طالبِ علم ساتھیو! یہ میرے لیے بڑی مسرّت اور سعادت ہے کہ آج اس مدرسے میں، جو الحمدُللہ! اپنی طفولیت سے آگے بڑھ کر عہدِ شباب میں داخل ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ حضرت مولانا عبد الستار صاحب دامت برکاتہم مدّتِ دراز سے یہ فرمائش کرتے تھے کہ میں اس مبارک مدرسے میں حاضری دوں، لیکن مختلف عوارض کی وجہ سے ہر مرتبہ ٹلتا رہا اور آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ خواہش پوری فرمائی اور آپ حضرات سے ملاقات کا موقع عطا فرمایا۔ میں اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور مولانا عبد الستار صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے مجھے یہ موقع فراہم فرمایا۔

الحمد للہ! جو اس مدرسے کے بارے میں تفصیلات مولانا نے مجھے بتائیں، وہ کچھ پہلے بھی معلوم ہوئیں تھیں، لیکن آج اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ اور اس کا نظام کس طرح چلایا جارہا ہے؟ اس کو قدرے تفصیل کے ساتھ مولانا نے بیان فرمایا، جس کو سن کر بہت ہی زیادہ مسرّت بھی ہوئی اور دعائیں بھی نکلیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دین کا اور علم کا عظیم الشان مرکز بنائے اور یہاں سے ایسے علما اور اہل اللہ پیدا ہوں، جو اپنی زندگیوں کو قوم کے لیے، ملّت کے لیے، امّت کے لیے وقف کریں اور امّت کے لیے دینی شعبوں میں بھی اور رفاہی شعبوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ یہاں کے طلبا سے کام لیں اور اس معاشرے میں جو چاروں طرف دنیا پرستی سے، مادہ پرستی سے بھرا ہوا ہے، وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ اس ادارے کے ذریعے، یہاں کے اساتذہ اور طلبا کے ذریعے علم کی اور دین کی روشنی اس معاشرے میں پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

آج کل مدارس کے بارے میں لوگوں کے اندر بڑے بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں اور مدارس کی حقیقت کو نہ جانتے ہوئے بھی لوگ اس پر تنقیدیں بھی کرتے ہیں، لیکن حالت یہ ہے کہ اس وقت جو ہمارے سرکاری تعلیمی ادارے ہیں وہ ایک طرف تو اپنے معیار کی کمی کی وجہ سے مسلسل انحطاط کا اور زوال کا شکار ہیں اور دوسرے اگر وہ تعلیم حاصل کرنے والے ہیں تو کوئی اگر ان سے جاکر پوچھے کہ تمہاری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ تو وہ مقصد صرف پیسا کمانا ہے، اس سے آگے کوئی مقصد نہیں۔ اس ذہنیت نے ہمارے ملک اور معاشرے میں ایک فساد پیدا کیا ہوا ہے۔ رشوت کا بازار گرم ہے، کرپشن کا جگہ جگہ دور دورا ہے، پھر روپے پیسے کو بھی بذاتِ خود راحت کا ایک ذریعہ سمجھا ہوا ہے، حالاں کہ راحت روپیہ پیسے سے حاصل نہیں ہوتی، یہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے کہ جس کو چاہے جھونپڑی میں بھی دے دے اور جس کو نہ چاہے محلّات میں بھی نہ دے۔

اس لیے میں آپ حضرات کو مبارک باد دیتا ہوں کہ الحمد للہ! آپ اس ادارے میں تعلیم حاصل کررہے ہیں اور آپ حضرات کو اس بات کی بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ اس سال سے الحمد للہ! یہاں حدیثِ پاک کی تعلیم کا آغاز ہو رہا ہے۔

ابھی میرے ساتھی نے مشکوۃ کی ابتدائی عبارت پڑھ کر اور پہلی حدیث پڑھ کر اس کا آغاز کیا۔ حضرت خطیب طبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز کیا ہے اور اسی سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب کا آغاز کیا ہے۔ یہ حدیث زبردست سبق دیتی ہے، اسی وجہ سے بعض علمائے کرام نے اس کو دینِ اسلام کا ایک تہائی حصہ قرار دیا ہے اور حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمائی کہ میں نے حضورِ اقدس، نبی کریم، سرورِ دوعالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

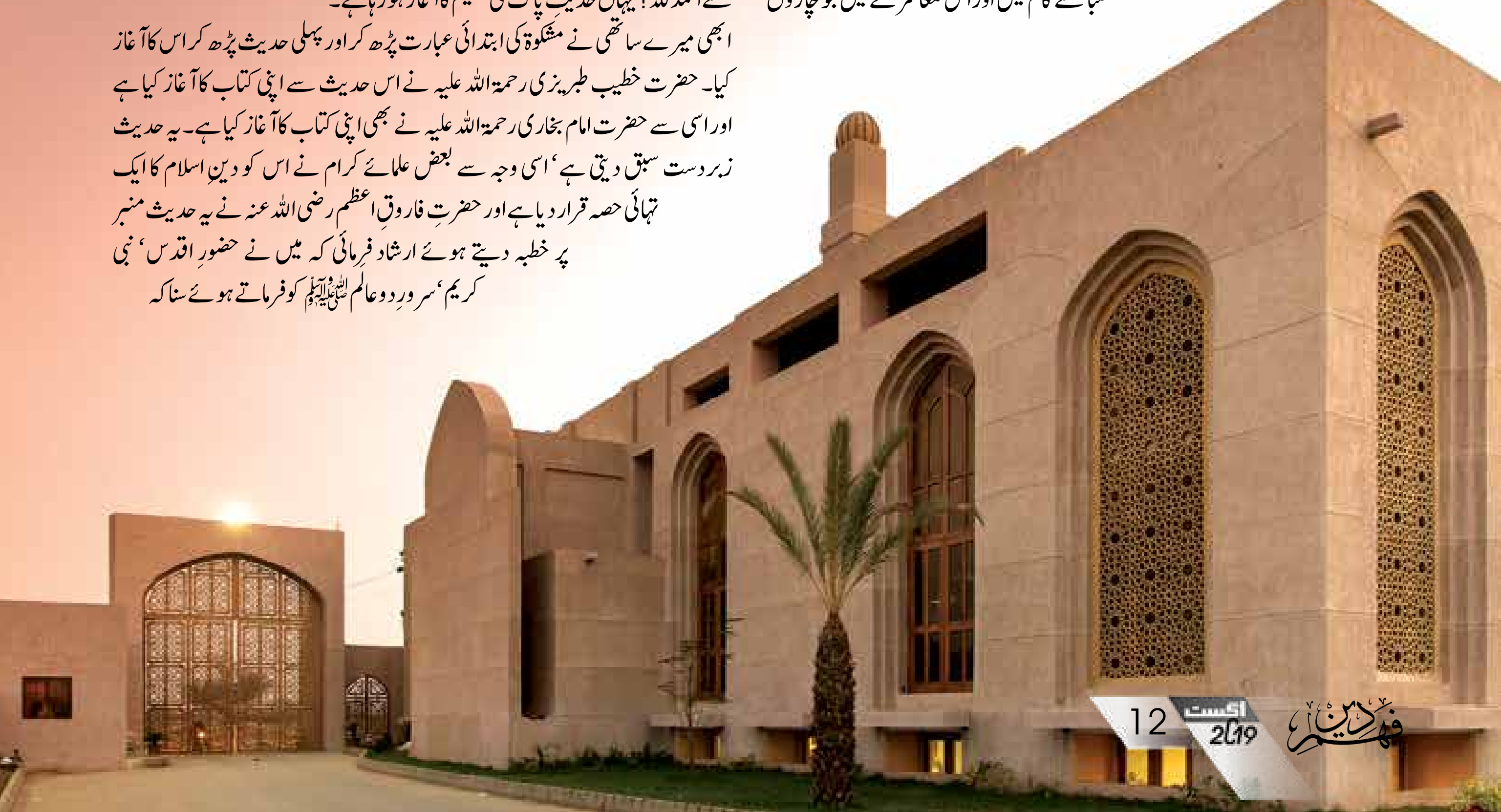

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" سارے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر کوئی آدمی کوئی عمل اچھی نیت کے ساتھ کر رہا ہے ' اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے اور اپنی آخرت کو درست کرنے کے لیے تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہے ' اس پر اجر مرتّب ہوگا ' لیکن اگر کسی بری نیت سے کر رہا ہے تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں اور آگے اس کی مزید تفصیل رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمائی "وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوٰی" ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا ' جس کی اس نے نیت کی ہے۔ اس کی مزید تفصیل بیان فرمائی "فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" جس شخص نے ہجرت کی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ اور ہجرت کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے آپ کو یہ بات معلوم ہوگی کہ شروع میں نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک اسلام کی دعوت دی اور وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قریش مکہ نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے اور بڑی سخت اذیتیں دی گئیں اور تیرہ سال کے بعد نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لائے اور مدینہ منوّرہ میں اپنی دعوت کا اور اپنی اسلامی ریاست کا آغاز فرمایا۔ اس وقت بہت سے مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے ' اس وقت ان کے ذمے یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ آئیں اور فرض اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے ' وہ اپنے دینی شعائر کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے ' دین پر پوری طرح عمل نہیں کر سکتے تھے ' اس لیے ان پر یہ لازم کیا گیا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ آئیں اور یہ معاملہ ہجرت کی فرضیت کا فتح مکہ تک جاری رہا ' فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ" فتح مکہ کے بعد اب ہجرت فرض نہیں ہے۔

تو یہ ہجرت کرنا بڑا زبردست ثواب کا کام تھا اور اپنا گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہ آدمی آباد ہونا ' یہ انسان کے اوپر بڑا شاق ہوتا ہے ' لیکن جو شخص یہ مشقّت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اٹھائے کہ ایسے ملک سے جہاں وہ اپنے دین پر عمل نہیں کر سکتا ' ہجرت کر کے ایسے ملک میں جائے ' جہاں وہ اپنے دین پر عمل کر سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے بڑی فضیلت اس کی قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے کہ "یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً" اس کو زمین کے اندر اللہ تعالیٰ وُسعت عطا فرمائیں گے ' لیکن اگر کوئی شخص ہجرت کر رہا ہے ' کوئی دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے "اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا" کہ میں ہجرت کرنے کے بعد وہاں پر جاکر کوئی دنیا کماؤں گا یا "اَوِامْرَاَةٍ یَتَزَوَّجُهَا" اور بعض روایتوں میں "یَنْکِحُهَا" آیا ہے کہ کسی ایسی وجہ سے ہجرت کر رہا ہے کہ وہاں کسی عورت سے جاکر شادی کرنی ہے تو "فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ" تو اس کی ہجرت اسی کام کے لیے سمجھی جائے گی ' جس کام کے لیے اس نے ہجرت کی ہے۔ یہ ہے حدیث کا خلاصہ !

اسی سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کی ابتدا کی ہے اور علّامہ طبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کو بھی اسی سے شروع کیا ہے ' یہ ہمیں ایک پیغام دینے کے لیے ہے کہ آج آپ اپنی تعلیم کا آغاز کر رہے ہیں۔ احادیثِ نبویّہ کا علم حاصل کرنا آپ شروع کر رہے ہیں اور حضورِ اقدس ﷺ کی جو احادیث آگے آپ پڑھیں گے ' وہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں۔ عقائد اس میں ہیں ' عبادات ' معاملات ' رشتہ داریوں کے حقوق ' ماں باپ کے حقوق ' علم کی فضیلت سب اس میں ہے ' زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں سرورِ کونین ﷺ کی تعلیمات موجود نہ ہوں ' وہ ساری اس مشکوٰۃ میں مختلف احادیث کی کتابوں سے جمع کی گئی ہیں۔

اب آپ علم حاصل کرنا شروع کر رہے ہیں تو آج پہلے قدم پر ہی یہ سوچ لیں کہ کیوں کر رہے ہیں یہ علم حاصل ؟ کیا مقصد ہے اس کا ؟ کیا یہ مقصد ہے کہ ہم اس کو پڑھ کر بڑے علّامہ بن جائیں ؟ اور ہمارے علم کی وجہ سے لوگ ہماری عزت کریں ؟ دنیا میں ہماری شہرت ہو ' لوگ ہمارے ہاتھ چومیں ؟ اگر یہ مقصد ہے تو اس علم کا جو فائدہ تھا ' وہ تمہیں حاصل نہیں ہوگا ' بلکہ یہ علم بجائے اجر اور فضیلت کے اُلٹا وبال بن سکتا ہے۔ تو حضرت امام بخاری اور علّامہ طبریزی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو لاکر ہمیں متنبّہ کر رہے ہیں کہ آج تم حدیث پاک کا سبق شروع کر رہے ہو تو پہلے نیتیں اپنی درست کر لو۔

حدیث پڑھنے کی نیت کیا ہونی چاہیے ؟ اصل مقصود تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے ' مگر علم حاصل کرنے کا پہلا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ میں اس پر عمل کروں گا اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس علم کی باتوں کو اور اس میں جو احکام بیان ہوئے ہیں ' ان کو دوسروں تک خیر خواہی کے ساتھ ' محبت کے ساتھ اور انبیائے کرام کے طریقے پر امت پر شفقت کر کے ان تک پہنچاؤں گا۔ تو پہلی حدیث لاکر ہمیں پیغام دیا جا رہا ہے کہ پڑھنے والو اور پڑھانے والو اپنی نیتیں درست کر لو۔

نیت کوئی غیر اختیاری چیز نہیں ہے ' یہ ایک اختیاری چیز ہے۔ اپنے اختیار سے آدمی نیت کرتا ہے۔ جب شروع میں نیت درست کر لی جاتی ہے کہ میں یہ کام اپنے عمل کے لیے ' دعوت کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں۔ جب یہ نیت ایک بار کر لی تو بعض اوقات بعد میں شیطان کچھ وسوسے ڈالتا ہے کہ بھائی ! تم عالم بن جاؤ گے تو تمہاری شہرت بن جائے گی ' تم یہ ہو جاؤ گے ' تمہارے لوگ معتقد ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ تو یہ وسوسے دماغ میں آتے ہیں ' ان وسوسوں کا اعتبار نہیں۔ جب پہلے دن نیت صحیح کر لی اپنے اختیار سے تو اعتبار اس محرّک کا ہے ' جس محرک کے تحت تم نے یہ کام شروع کیا ' بعد میں اگر شیطان وسوسے ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : "اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ" کہ یہ شیطان سرگوشیاں کرتا ہے ' تمہارے دل میں یہ خیال ڈال دے گا کہ میں جب اچھے نمبروں سے پاس ہوں گا تو دنیا میری عزت کرے گی وغیرہ وغیرہ تو اگر تم نے ابتدا میں نیت صحیح کر لی تھی تو بعد میں یہ جو وسوسے شیطان ڈالتا ہے ' اس کی طرف دھیان نہ دو ' پھر آجاؤ اسی مقصد پر اور آخر وقت تک ' جب تک کہ اس کے خلاف نیت اپنے اختیار سے نہ کرو تو اس وقت تک یہ پہلی نیت معتبر رہے گی ' جو پہلے دن کی تھی ' اس لیے آج اس پر متنبہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں صحیح نیت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور میرے بھائیو اور ساتھیو ! اس بات کا اہتمام کرو کہ حاضری وقت پر ہو ' کوئی حدیث استاد کے بغیر نہ گزرے ' مکمل وقت پر حاضر ہو کر حدیث پڑھو اور مطالعے اور تکرار کا اہتمام کرو اور چوں کہ اب آپ جو علوم آلیہ تھے ' ان سے اب آپ علومِ عالیہ کی طرف منتقل ہو رہے ہو تو اپنے طرزِ عمل میں بھی تبدیلی لانی چاہیے۔ پہلے اگر نمازوں کا اہتمام نہ ہو تو اب اس کا اہتمام پورا ہونا چاہیے۔ اگر پہلے اپنے کردار کے اندر زبان بہکتی تھی ' بات ایسی نکل جاتی تھی ' جو لوگوں کے لیے دل آزاری کا سبب ہو یا نگاہ بہکتی تھی تو اب اس سے اپنے آپ کو بچاؤ اور خالص یہ سمجھ کر کہ جو کچھ میں پڑھ رہا ہوں ' اس کو اپنے عمل میں لانے کی کوشش کروں گا۔ اس کے لیے بہت اہتمام کریں ' اساتذہ کرام کی عزت کریں ' اساتذہ کرام کی بات مانیں اور مدرسے کے ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے جب آپ پڑھیں گے اور صحیح نیت کے ساتھ پڑھیں گے تو آپ جانتے ہیں کہ طالب علم کے کیا فضائل ہوتے ہیں "مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ بِهٖ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ" اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت رکھی ہے۔

تو آپ بہت خوش نصیب ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں کا مورِد ہو کہ آپ کو اتنا بڑا علم آج شروع کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سیکھنے کا اور سکھانے کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہاں سے اچھے ' باعمل اہلِ علم اور اہل اللہ پیدا فرمائے ' جن کا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق ہو اور اپنے ہر عمل سے ہر کردار سے وہ سنتِ نبویّہ کی تصویر ہوں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بچوں کو وقت دیجئے

محمد سعد صالح

"ماموں..!! چلیے نائی کے پاس چلتے ہیں.."

میرا سات سالہ بھانجا محمد ریان التجائیانہ نظروں سے مجھ سے مخاطب تھا۔

"کیوں بیٹا کیا کام ہے..؟؟"

میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بال کٹوانے ہیں.."

اس نے معصومانہ انداز میں جواب دیا۔

"ارے بھئی آپ نے کل ہی تو بال کٹوائے ہیں۔"

میں نے تعجب کے ساتھ پوچھا۔

"ماموں.. وہ نائی نے میری فوجی کٹنگ کی ہے.. مجھے فوجی کٹنگ اچھی نہیں لگتی۔"

ریان نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں اچھی نہیں لگتی..؟؟اس میں کیا برائی ہے..؟؟"

میں نے وجہ پوچھی۔

"ہمارے استاد جی کہتے ہیں کہ ایسی کٹنگ انگریز کرتے ہیں. مجھے انگریزوں کی طرح ہونا بالکل اچھا نہیں لگتا. مجھے ان جیسا نہیں بننا ہے"

اس کا یہ جواب سن کر میں حیران رہ گیا.

❁❁❁

"ماموں آپ دارالعلوم میں پڑھتے ہیں ناں..؟؟"

دوپہر کے بعد محمد ریان ایک مرتبہ پھر سے میرے سامنے کھڑا تھا۔

"جی پیارے میں وہیں پڑھتا ہوں. کیوں آپ کو کوئی کام ہے کیا...؟؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر وجہ پوچھی۔

"میں دارالعلوم دیکھنا چاہتا ہوں. وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

اس نے اپنی معصوم سی خواہش کا اظہار کیا۔

"اچھا چلو تیار ہو جاؤ چلتے ہیں."

میں نے فوراً ہامی بھر لی۔

"ماموں آپ میرا عمامہ باندھ دیجئے۔"

چہرے پر چمک لاتے ہوئے اچانک سے اس نے ایک نیا مطالبہ پیش کر دیا.

"بیٹا آپ عمامہ کیوں باندھنا چاہتے ہیں۔"

میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ماموں میں وہاں مفتی صاحب سے ملوں گا. وہ بھی عمامہ باندھتے ہیں. میں بھی ان جیسا بننا چاہتا ہوں۔"

7 سالہ ریان کا جذبہ دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔

❁❁❁

یہ دو واقعات ہیں جو ایک ہی دن میرے ساتھ پیش آئے ہیں۔ یہ کوئی انوکھے اور اچھنبے واقعات نہیں ہیں بلکہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں عام پیش آتے رہتے ہیں. فرق یہ ہوتا ہے کہ ہم ان کو سمجھ نہیں پاتے، انہیں اہمیت نہیں دیتے. ہمارے بچے کیا سوچتے ہیں؟؟ کیا جذبات رکھتے ہیں..؟؟ ان کے احساسات کیا ہیں...؟؟ ہم اس بات کی پرواہ نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ صحیح راہنمائی سے محروم ہو جاتے ہیں. غلط صحیح کی پہچان نہیں کر پاتے. اگر روزانہ کچھ وقت بچوں کے ساتھ دوستانہ ماحول میں گزارا جائے اور انہیں مکمل آزادی کے ساتھ کھلنے کا موقع دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ہم ان کی غلطیوں کو معلوم کر کے ان کی درستی کر سکتے ہیں بلکہ ان کو صحیح راہنمائی فراہم کر کے انہیں بہترین اور معاشرے کے لئے کار آمد افراد بھی بنا سکتے ہیں. آج کے پرفتن دور میں بچوں کے ساتھ دوستانہ ماحول پیدا کرنے کی ضرورت مزید زیادہ اہمیت اختیار کر چکی ہے. قدم قدم پر بے راہ روی کے اسباب وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں. اوپر سے رہ سہی کسر موبائل اور نیٹ کیبل نے پوری کر دی ہے. ایک اکیلا موبائل ہی ہمارے بچوں کی تباہی و بربادی کے لئے کافی ہے. ایسے میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اپنے قریب کریں. ان کے لئے بہترین دوست ثابت ہوں اور انہیں اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرنے کے لیے خوشگوار ماحول فراہم کریں.

بچے تو من کے سچے ہوتے ہیں. کوئی بھی بچہ پیدائشی بگڑا ہوا نہیں ہوتا. انہیں جو بات بتلا دی جائے، دل و جان سے اسے قبول کر لیتے ہیں اور اسی پر یقین رکھتے ہیں. وہ منافقت نہیں کرتے. جو وہ کہتے ہیں وہی ان کا عقیدہ ہوتا ہے، وہی ان کا نظریہ ہوتا ہے اور اسی پر ان کو یقین ہوتا ہے. ان کے دل کی تختیاں صاف شفاف لوحوں کی مانند ہوتی ہیں. ان پر جو نقش چھوڑ دیا جائے، عمر بھر وہ ثبت رہتا ہے. ہماری غفلت اور ہماری عدم توجہی ان کے دل کے صاف لوحوں کو داغ دار بنا دیتی ہے. ہماری ان سے دوری ان کی آئینہ نما تختیوں کو ماحول کی گندگیوں سے بدنما بنا دیتی ہے. ہمارا حاکمانہ طرز عمل انہیں ایک عظیم انسان بننے سے روکے رکھتا ہے. وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو وقت دیں، ان کے قریب ہوں اور انہیں مکمل آزاد دوستانہ ماحول فراہم کریں، تاکہ وہ غلط ڈگر پر چلنے کے بجائے زندگی کے ہر قدم پر صحیح سمت کا انتخاب کر سکیں اور ملک و ملت دونوں کے لئے یکساں مفید و معاون ثابت ہوں۔

NEW
Zaiby Jewellers
CLIFTON
ZJ
newzaibyjewellers
021 35835455, 35835488
newzaibyjewellers@gmail.com
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Karachi

محمد حذیفہ رفیق

حضرت ربیعہ بن فرّوخ رحمۃ اللہ علیہ

ابو عثمان ربیعہ بن ابو عبد الرحمٰن فرّوخ، مدینہ منورہ کے مفتی اور اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ مسجدِ نبوی میں ان کے حلقے میں بڑے بڑے اہلِ علم اور معاشرے کے باثر لوگ تک شریک ہوتے تھے۔ کئی مرتبہ ان کی مجلس میں چالیس چالیس تک بڑے بڑے علما دیکھے گئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث حاصل کی، اس طرح تابعین میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ حضرت سعید بن مسیّب، حضرت قاسم بن محمد اور حضرت سالم بن عبد اللہ رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے تابعین علما سے بھی علم حاصل کیا اور ان کی صحبت میں رہے۔

اور ان سے علم حاصل کرنے والوں میں اما اوزاعی، سفیان ثوری اور عبد اللہ بن مبارک رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے علما شامل ہیں، جو حضرت ربیعہؒ کی صحبت اور علم سے فیض یاب ہوئے اور پھر ایک دنیا کو سیراب کیا اور مشہور فقیہ مجتہد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو ان کے نمایاں شاگرد ہیں، جو کافی عرصے تک اپنے استاذ کی خدمت میں رہے، بلکہ علما نے لکھا ہے کہ ربیعہؒ کی صحبت کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ امام مالکؒ اپنے وقت کے امام اور مجتہد بنے اور امام مالکؒ بھی اپنے استاذ کو بہت یاد کیا کرتے تھے اور کثرت سے ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔

ربیعہؒ کا شمار ائمہ مجتہدین میں سے ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کو سمجھ کر ان سے مسائل نکالنے والے علما کو مجتہدین کہتے ہیں۔ علمائے مجتہدین میں سے چار علما کو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک (جو ربیعہؒ کے شاگرد ہیں)، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ، تاہم ان چار کے علاوہ اور بھی علمائے مجتہدین پائے جاتے ہیں، لیکن تقدیری طور پر ان چار کی سمجھ اور فہم کو امتِ مسلمہ نے قبول کیا اور ان کے مسائل پر عمل ہوا۔ دیگر علمائے مجتہدین کے مسائل اور آراء یا تو امت میں رواج نہ پا سکے یا کچھ عرصہ چلنے کے بعد ان مسائل پر عمل ختم ہو گیا۔ بہر حال! یہ تو ان کی رائے اور استنباط شدہ مسائل کا حال ہے، ورنہ ان کی خدمتِ دین سے معمور دھکتی زندگی اور غیر معمولی کارناموں کا تذکرہ آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے، جس سے ان کا نام سدا قیامت عزت و عظمت کے ساتھ امت میں زندہ رہے گا اور بے شک! ان حضرات کے امتِ مسلمہ پر مجموعی طور پر بے شمار احسانات ہیں، جن کو امت کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

اور سچ تو یہ ہے کہ ان کی محنتوں کا حقیقی صلہ اور دائمی بدلہ تو خود حق سبحانہٗ و تقدّس ہی ان کو دیں گا، جو ان کی ہر ہر خدمت اور نیکی سے بخوبی واقف ہے۔ اگرچہ وہ دنیا کی آنکھ سے اوجھل رہی۔ مؤرّخ کا قلم، اسے قلم لکھ نہ سکا، تاریخ کی کتابیں، اسے اپنی آغوش میں جگہ نہیں دے سکیں، لیکن ربِّ ذوالجلال سچا قدر دان ہے۔

آپؒ انتہائی مستغنی اور دنیا سے بے رغبت تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: میرے استاذ، امیر المومنین کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے انھیں ایک باندی ہدیہ میں دینا چاہی، انھوں نے لینے سے انکار دیا۔ پھر اس نے پانچ ہزار دراہم دینا چاہے، انھوں نے وہ بھی لینے سے انکار کر دیا۔

❁❁❁

ان کا معاملہ عجیب رہا۔۔۔ایک طویل عرصہ تک درس کا کوئی حلقہ نہیں لیا، بلکہ عبادت میں مشغول رہے، دن رات خوب عبادت کرتے، نوافل اور تلاوت وغیرہ میں ہی اکثر وقت خرچ فرماتے، اس طرح کافی مدّت گزر جانے کے بعد جب حلقہ لیا تو ایسے جواہر اور موتی پروئے کہ سارا مدینہ منوّرہ ان کے حلقے میں امڈ آیا، جن میں سر فہرست امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور پھر بڑے بڑے علما اور رؤسا بھی ان کے حلقے میں شریک ہوئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت کی کثرت سے علم کو جلا ملتی ہے اور مخلوق میں مقبولیت حاصل کرنے سے پہلے خالق کے یہاں مقبولیت حاصل کرنا بے حد ضروری ہے، بلکہ یہی اصل ہے۔ بسا اوقات دروازوں سے دھکے دیے جانے والا بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اتنا بلند مرتبہ رکھتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے نام پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھ لیتے ہیں۔

❁❁❁

مدینہ منوّرہ کے ایک اور مشہور عالم یحییٰ بن سعیدؒ ہیں، وہ فرماتے ہیں: ”میں نے ربیعہ سے زیادہ ذہین اور سمجھ دار شخص نہیں دیکھا۔“ یہ دونوں حضرات بڑے علما میں شمار ہوتے ہیں، مگر دونوں ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ جب ربیعہؒ نہیں ہوتے تو

(بقیہ ص 21 پر)

اپنا وطن

اہلیہ کمال احمد خان

یوں تو وطن کے لغوی معنیٰ ""اپنا ملک"" کے ہیں' لیکن کچھ جگہ اس کا مطلب ""پیدائش کی جگہ"" کے بھی ہیں۔ کچھ لوگ وطن اس جگہ کو بھی کہتے ہیں' جہاں وہ جا کر بس جاتے ہیں' چاہے وہ وہاں پیدا نہ بھی ہوئے ہوں۔ اصل میں لفظ ""وطن"" کے ساتھ ایک بڑا جذباتی تعلق ہوتا ہے' لہٰذا یہ لقب اسی جگہ کو دینے کے لیے دل آمادہ ہوتا ہے' جہاں سے کوئی جذباتی تعلق یا وابستگی ہو۔ اپنی زندگی کے ماہ و سال وطنِ عزیز میں گذار کر ہم نے اِسی وطن میں ایک ایسا وطن دریافت کر لیا کہ ""ہمارا اصلی وطن تو یہی ہے۔""

ہم اپنے اس ""وطن"" تک کیسے پہنچے یا پہنچائے گئے؟ یہ بیش بہا دولت ہم کو ملی کیسے۔۔۔؟ بہت سوچنے پر اپنے دس بارہ سال پہلے کے کچھ آنسو یاد آ جاتے ہیں' جو ہم نے دورِ غفلت میں ہونے کے باوجود اسی طرح کے ایک وطن کے مظلوم باسیوں کے لیے بہائے تھے' جب ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے' شاید وہ ہی ہمارے بے قیمت آنسو اس وطن میں داخلے کا سبب بن گئے اور ہم ایک ایسے ملک کی امیگریشن لینے میں کام یاب ہو گئے' جہاں کے باسیوں کا فیصلہ ""ایک اور ہی جہاں"" کا ہوتا ہے۔ جی ہاں! یہ گوشۂ سکون اور وطنِ عزیز ہمارا پیارا مدرسہ ہے' جہاں سے ہمیں اُس گوہرِ مقصود اور مقصدِ حیات کی آگاہی نصیب ہوئی کہ جس کی قیمت ہم نہیں دے سکتے ہیں۔

یہ مدارِس کیا ہیں۔۔۔؟ حقیقت میں ان کے اندر عشق و محبت کی ایک داستان رقم ہوتی ہے۔ کون سا عشق۔۔۔؟ اپنے خالق و مالک' اپنے اللہ سے عشق۔۔۔ اور کیسا عجیب عشق ہے کہ خالقِ دو جہاں کے عاشق یہاں اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنے رب کے عاشقوں میں اضافہ کر دیں۔ دنیا کا ہر عشق انسان کو خود غرض بناتا ہے اور اللہ کا عشق انسان کو بے غرض بنا دیتا ہے۔ اگر کسی کو بے غرضی کے نمونے دیکھنا ہوں تو وہ بھی یہاں ملیں گے' بغیر کسی دنیاوی غرض کے' بغیر کسی حسب و نسب اور حیثیتوں کو دیکھے محبتوں کے ساتھ سب ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جنّت میں انسانوں کے دل' ہر برائی سے پاک ہوں گے تو اکثر ہمیں یہاں جنّت کا گماں ملتا ہے' جہاں بِلا جان پہچان کے بھی ہم اپنے دل میں ہر ایک کے لیے محبت اور ہر آنکھ میں اپنے لیے اُنسیت و محبت دیکھتے ہیں۔

یہاں تجارت بھی خوب زور و شور سے ہوتی ہے۔ روز یہاں آخرت کے لیے لوگ سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ کوئی اپنی صلاحیتوں کے ذریعے' کوئی مال کے ذریعے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے سرمائے کو لگاتے ہوئے کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ منافع کب اور کہاں ملے گا' کیوں کہ یہاں کی ساری تجارتیں ہی بِن دیکھے کی ہیں' یہاں کا سارا نفع ہی یقین و بھروسہ پر طے ہوتا ہے' کیوں کہ سب کو پتا ہے کہ یہ سودا اس مالک کے ساتھ ہے' جو بڑا غیور ہے' جو کسی کا حساب نہیں رکھتا اور جو ایسا منصف اور قدردان ہے کہ اس کے بدلے کی کوئی حد و انتہاء ہی نہیں۔

ویسے تو کائنات میں بسنے والا ہر بندہ ہی اللہ کی مخلوق ہے اور ہر مسلمان اللہ پاک کا نوازا ہوا ہے' لیکن ""میرے وطن"" کے باسی تو اللہ پاک کے چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ جب اللہ پاک کسی کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو اُسے اس وطن کا باسی بنا دیتے ہیں اور جب اللہ پاک کسی کے لیے جنّت کے راستوں کو آسان کرنا چاہتے ہیں تو اس کو ان راستوں کا مسافر بنا کر ""اسی وطن"" میں پہنچا دیتے ہیں' یہاں تک کہ جو شخص ""اس وطن"" سے حاصل ہونے والے علم کی طلب میں گھر سے نکلے تو وہ اللہ کی راہ میں ہے' جب تک کہ واپس نہ آ جائے۔ (حوالہ' جامع ترمذی)

لیکن کیا یہ وطن قواعد و ضوابط اور کسی بھی قانون سے مبرّا ہے۔۔۔؟ نہیں! اس وطن کے باسی اگر چاہتے ہیں کہ یہاں آنے کے بعد انھیں یہاں سے کبھی نکل جانے کا اندیشہ نہ ملے تو اس کے لیے کچھ مادّی مطالبہ تو نہیں' کچھ اور ایسا مطلوب بھی نہیں۔۔۔ سوائے اس کے کہ اس کی قدر و عظمت آپ کے اندر دنیا کی ہر شے سے زیادہ ہو۔ دنیا کے ہر کام سے بڑھ کر اگر آپ نے ""اس وطن"" کے کام کو سمجھا' دنیا کے ہر عہدے و منصب سے زیادہ اس جگہ حاصل ہونے والے منصب کی عظمت آپ کے دل میں ہوئی تو یقین کریں کہ اس بیش بہا عطا کے بعد اس سے کبھی محرومی نہیں ہو گی۔ اس سکون و چین کی دنیا میں تول صلاحیتوں کا نہیں' کیوں کہ صلاحیتیں دینے والا کیا اپنی دی ہوئی چیز کی قیمت لگائے گا۔۔۔؟؟ بلکہ اخلاص و قدردانی یہاں ترازو میں سب سے بھاری تولے جاتے ہیں' جس کا جتنا اخلاص ہے' جتنی ""اس وطن"" کی قدردانی ہے' وہ ہی یہاں سے نفع اٹھاتا ہے' پھر اللہ پاک اس کو ایسا بنا دیتے ہیں کہ وہ سراپا رُشد و ہدایت بن جاتا ہے۔ اللہ کے کنبے کو جوڑنے والا' اللہ کا خاص الخاص بندہ اور پھر شکر گزاری کے احساس میں اس کے روئیں روئیں سے اس وطن کی محبت میں ایک ہی صدا نکلتی ہے:

ہمیں دنیا سے کیا مطلب' مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں میں' ورق ہو گا کفن اپنا

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

حاجیوں کے استقبال کا حکم

سوال: اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ حج کی سعادت حاصل کر کے آنے والے حضرات کو لواحقین ایئر پورٹ پر بڑی تعداد میں لینے جاتے ہیں، حاجی کے باہر آتے ہی اسے پھولوں سے لاد دیتے ہیں، پھر ہر شخص حاجی سے گلے ملتا ہے۔ گلی اور گھر کو بھی حاجی صاحب کی آمد پر خوب سجایا جاتا ہے۔ جگہ جگہ "حج مبارک" کی عبارت کے کتبے لگے نظر آتے ہیں، بعض لوگ تو مختلف نعرے بھی لگاتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ ہار، پھول، کتبے، نعرے اور گلے ملنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس طرح اخلاص برقرار رہتا ہے؟

جواب: حاجیوں کا استقبال تو اچھی بات ہے، ان سے ملاقات اور مصافحہ و معانقہ بھی جائز ہے اور ان سے دعا کرانے کا بھی حکم ہے، لیکن یہ پھول اور نعرے وغیرہ حدود سے تجاوز ہے۔ اگر حاجی صاحب کے دل میں عُجب (خود پسندی) پیدا ہو جائے تو حج ضائع ہو جائے گا، اس لیے ان چیزوں سے احتراز کرنا چاہیے۔

حج کے بعد اعمال میں سستی آئے تو کیا کریں؟

سوال: حج کرنے کے بعد زیادہ عبادات میں سستی، کاہلی یعنی ذکر واذکار، صبح کے وقت نماز دیر سے پڑھنا اور دل میں مختلف وساوس کے آنے کا کیا حکم ہے؟ اس سے حج کرنے میں کوئی فرق تو نہیں آتا؟ کیا دوبارہ حج کے لیے جانا ضروری ہوگا؟

جواب: اگر پہلا حج صحیح کیا ہے تو دوبارہ کرنا ضروری نہیں، حج کے بعد اعمال میں سستی نہیں، بلکہ چستی ہونی چاہیے۔

حاجی کی قضا نمازوں اور روزوں کا حکم

سوال: کیا حاجی کی قضا نمازیں، روزے بھی معاف ہو جاتے ہیں؟

جواب: واضح رہے کہ حج سے فرائض اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، بل کہ جو شخص فرائض کے چھوڑنے اور حقوق العباد کے تلف کرنے سے توبہ نہ کرے، اس کا حج ہی قبول نہیں ہوتا۔

فضائل قربانی

سوال: شریعت کی نظر میں قربانی کی کیا فضیلت ہے، آگاہ فرمائیں؟

جواب: واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ہر سال قربانی فرمائی ہے، کسی سال اس کا ناغہ نہیں فرمایا، اس سے آپ ﷺ کی مواظبت ثابت ہوئی جس کا مطلب ہے لگاتار کرنا، اس طرح اس سے قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوا، نیز آپ ﷺ نے قربانی نہ کرنے پر وعید ذکر فرمائی، احادیث میں بہت سی وعیدیں مذکور ہیں، جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔" قربانی کی بہت سی فضیلتیں ہیں: زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی تمہارے باپ (ابراہیم علیہ السلام) کی سنت ہے۔ صحابی نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ اُون کے متعلق فرمایا: اس کے ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قربانی کے دنوں میں اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہے، سوائے رشتہ داری کا پاس ولحاظ رکھنے کے۔

قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا بہت بڑا عمل ہے، حدیث میں ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے وہ گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال: قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟

جواب: قربانی ہر اس مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہوتی ہے، جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد موجود ہو، یہ مال خواہ سونا چاندی یا اس کے زیورات ہوں یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا رہائشی مکان سے زائد کوئی مکان، پلاٹ وغیرہ۔

قربانی کے معاملے میں اس مال پر سال بھر گزرنا بھی شرط نہیں۔ بچہ اور مجنون کی ملکیت میں اگر اتنا مال ہو بھی تو اس پر یا اس کی طرف سے اس کے ولی پر قربانی واجب نہیں۔ اسی طرح جو شخص شرعی قاعدے کے موافق مسافر ہو، اس پر بھی قربانی لازم نہیں۔ جس شخص پر قربانی لازم نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس پر قربانی واجب ہو گئی۔

جوائنٹ فیملی ہونے کی صورت میں بالغ اولاد کی طرف سے قربانی

سوال: ہم پانچ بھائی ہیں، تمام شادی شدہ ہیں اور والدین کے ساتھ اکٹھے رہتے ہیں۔ تمام بھائی جو کماتے ہیں، والد صاحب کو دیتے ہیں، صرف جیب خرچ اپنے پاس رکھتے ہیں، تو اس صورت میں ہم (بھائیوں) پر قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ اب تک والدین اپنی قربانی کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا والدین کا قربانی کرنا کافی ہے یا ہم بھی کریں گے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں اگر آپ اپنے ذاتی رقم کے اعتبار سے صاحبِ نصاب ہوں تو آپ گے والد صاحب کو چاہیے کہ آپ پانچوں بھائیوں کی طرف سے بھی قربانی کیا کریں، بلکہ پانچوں کی بیویوں کے پاس بھی زیورات اور نقدی وغیرہ اگر اتنی ہو کہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو ان کی طرف سے بھی قربانیاں ہونی چاہئیں۔ بہر حال گھر میں جتنے افراد صاحبِ نصاب ہوں گے ان پر قربانی واجب ہو گی اور اگر کمانے کے باوجود صاحبِ نصاب نہیں تو قربانی واجب نہیں ہو گی۔

قربانی کے بدلے میں صدقہ وخیرات کرنا

سوال: اگر کسی شخص نے لاعلمی یا غفلت و کوتاہی کی وجہ سے باوجود استطاعت کے قربانی نہ کی تو وہ کیا کفارہ دے؟

جواب: اگر قربانی کے دن گزر گئے، اور کوئی شخص ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہ کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہو گا، ہمیشہ گناہ گار رہے گا، کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے، جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی۔ رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات اور تعامل اور پھر اجماعِ صحابہؓ اس پر شاہد ہیں۔

زیورات پر قربانی کا حکم

سوال: میری ایک شادی شدہ بیٹی جس کے پاس ۱۵ سال کی عمر سے تین چار تولے سونے کا زیور رہا ہے اور شادی کے بعد اور زیادہ ہی ہے۔ اس کی طرف سے نہ میں نے کبھی قربانی کی، نہ اس نے خود کی اور نہ شوہر اس کی طرف سے کرتا ہے۔ ایسے میں کیا اس پر 15 سال کی عمر سے قربانی فرض ہے اور وہ بھی تمام سالوں کی قربانی ادا کرے؟

جواب: اگر آپ کی بیٹی کی ملکیت میں کچھ روپیہ پیسہ بھی رہا ہو تو وہ صاحبِ نصاب ہیں اور اس پر زکوۃ و قربانی دونوں واجب ہیں، اور اگر روپیہ پیسہ نہیں رہتا ہو تو وہ صاحبِ نصاب نہیں اور ان پر زکوۃ و قربانی بھی واجب نہیں۔

قربانی میں عقیقہ کا حصہ اور ساتویں دن کی رعایت

سوال: اگر کوئی شخص بڑے جانور میں عقیقہ کی نیت سے شریک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جیسے سات حصے ہیں، زید نے اس میں دو حصے قربانی کے لئے اور ایک حصہ اسی جانور میں عقیقہ کا خریدا تو ایسی حالت میں عقیقہ درست ہو گا یا نہیں؟ چاہے بچے کی پیدائش سے ساتواں دن پڑے یا نہ پڑے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں عقیقہ اور قربانی دونوں درست ہیں۔ عقیقہ کی نیت سے جانور میں حصہ خریدنے سے قربانی میں کوئی خلل نہیں آتا، نیز عقیقے میں ساتویں دن کی رعایت محض مستحب ہے۔ مشترکہ کاروبار میں جب انفراداً صاحب نصاب نہ ہوں تو قربانی واجب نہیں۔

سوال: چند بھائی کوئی کاروبار مشترکہ طور پر کرتے ہیں، ان سب کا کھانا پینا ایک ہی جگہ ہے۔ اگر ہر ایک کی مالی حیثیت کا الگ الگ جائزہ لیا جائے تو کسی پر بھی قربانی واجب نہیں ہوتی، کیونکہ کوئی بھی صاحبِ نصاب نہیں بنتا اور اگر سب کی اجتماعی حالت دیکھی جائے تو اچھے خاصے کھاتے پیتے نظر آتے ہیں۔ اور نصاب بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ان پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو قربانی کس کی طرف سے ادا ہو گی؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں کسی پر بھی قربانی واجب نہیں۔

تکبیراتِ تشریق کا وقت اور اس کا حکم

سوال: تکبیراتِ تشریق سے کیا مراد ہے؟ اس کا کیا حکم ہے اور یہ کب پڑھی جاتی ہے؟

جواب: تکبیراتِ تشریق سے مراد یہ کلمات ہیں:

”اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد“

ان کلمات کا 9 ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے بعد سے 13 ذی الحجہ کی عصر تک ہر مسلمان، بالغ مرد و عورت پر (خواہ مسافر ہو یا مقیم، دیہاتی ہو یا شہری، قربانی واجب ہو یا نہ ہو) پانچوں نمازوں کے فوراً بعد مرد پر ایک مرتبہ بلند آواز سے اور عورت پر ایک مرتبہ آہستہ آواز سے پڑھنا واجب ہے۔

قربانی کے جانور کے دودھ کا حکم

سوال: قربانی کا جانور اگر دودھ دیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: قربانی کے جانور کا دودھ استعمال میں لانا اور اس سے نفع حاصل کرنا تین صورتوں میں بلا کراہت جائز ہے:

1. جانور پالتو ہو۔
2. جانور خریدا ہو، مگر خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ ہو۔
3. قربانی کی نیت سے خریدا ہو، مگر اس کی گزر بسر چرنے پر نہ ہو، بلکہ گھر میں چارہ کھاتا ہو۔

اگر قربانی کی نیت سے خریدا ہو اور باہر چر کر گزارا کرتا ہو تو اس کے دودھ کے بارے میں جواز اور عدمِ جواز کے، دونوں قول ہیں۔ عدمِ جواز والے قول کے مطابق اس کا دودھ استعمال میں لانا مکروہ ہے، اگر دودھ نکال لیا تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، ایسے جانور کا دودھ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر خشک کر دینا چاہیے، اگر خشک نہ ہو اور جانور کو تکلیف ہو تو نکال کر صدقہ کر دیا جائے۔

باورچی خانہ اور ہماری صحت

حکیم شمیم احمد

کریلا

کڑوا سہی، ہے تو فائدہ مند

تعارف

کریلا کو عربی میں القرع المر اور انگریزی میں Bitter Gourd کہتے ہیں۔ اس کا نباتاتی نام Monordica Charantia ہے۔

کریلا ایک بیل کا پھل ہے جو گرم، نیم گرم ایشیائی، افریقی اور بحیرۂ روم کے علاقوں میں پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں بھی کاشت کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کڑوی سبزی ہے، باہر سے کھردری ہوتی ہے اور یہ بطور ترکاری کھایا جاتا ہے۔ اس کے پیلے پھول، پتے اور جڑ آورویدک طب، یونانی میں ادویہ تیار کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔

کریلا صحت بخش ترکاری

کچھ خواتین کریلوں کو باریک باریک کاٹ کر انھیں خوردنی تیل میں فرائی کر کے کُرکُرا کر دیتی ہیں، جس سے یہ بہت مزیدار ہو جاتے ہیں اور کچھ خواتین کریلوں کو چنے کی دال یا قیمے کے ساتھ پکاتی ہیں۔ کریلوں کو چھیل کر ان کے بیج دور کر لیے جاتے ہیں اور ان میں مسالا بھر کے دھاگے سے باندھ دیا جاتا ہے، تاکہ مسالا کریلوں ہی میں رہے، پھر ان کریلوں کو تیل میں فرائی کر لیا جاتا ہے۔ مسالا بھرے یہ کریلے بہت مزیدار اور چٹ پٹے ہوتے ہیں۔ انھیں ریفریجریٹر میں بھی چند دن تک کے لیے رکھا جا سکتا ہے۔ کریلا ایک صحت بخش ترکاری ہے۔ کچھ افراد اس کی کڑواہٹ کی وجہ سے اسے پسند نہیں کرتے۔ یہ دافعِ امراض ترکاری ہے۔

کریلے کی کڑواہٹ

کریلے پکانے سے پہلے ان کی کرواہٹ دور کی جاتی ہے۔ یہ کئی طریقوں سے پکایا جاتا ہے۔ بعض خواتین کریلے چھیل کر، ان میں نمک لگا کر گھنٹے دو گھنٹے کے لیے دھوپ میں رکھ دیتی ہیں۔ اس طرح ان کی کڑواہٹ کم ہو جاتی ہے۔ کریلوں کو املی کے پتوں میں ڈال کر اُبالنے سے بھی ان کی کڑواہٹ کم ہو جاتی ہے۔

کریلے کے فوائد

1. کریلے کے پتوں کا رس پینے سے آنتوں کے کیڑے مر جاتے ہیں۔
2. کریلا بخار کم کرتا ہے۔
3. کریلا توانائی بخشتا اور بھوک بڑھاتا ہے۔
4. جذام کے علاج میں بھی کریلا کام آتا ہے۔
5. کریلا بواسیر، یرقان، گٹھیا، بیماریاں دور کرنے میں بھی کھایا جاتا ہے۔
6. کریلا ذیابطیس کو قابو کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔
7. کریلے کے پتوں کا لیپ کرنے سے پاؤں کے تلوؤں کی گرمی دور ہو جاتی ہے۔
8. کریلا بہت سارے انفیکشن کے خلاف مقابلہ کرتا ہے۔
9. کریلا سرطان جیسے جان لیوا مرض میں بننے والے سرطانی خلیوں کا خاتمہ کر دیتا ہے۔
10. کریلا ہیضے اور قبض سے بھی نجات دلاتا ہے۔
11. کریلا پیشاب کی تکالیف، تلی، خون اور آنکھوں کی بیماریاں دور کرتا ہے۔
12. کریلے کی کڑواہٹ خون صاف کرتی ہے۔
13. کریلا خون کی گردش کو تیز کرتا ہے جس سے جسم چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔
14. کریلا قبض کا ازالہ کرتا ہے۔
15. کریلے کا باقاعدگی سے استعمال ہائی بلڈ پریشر سے محفوظ رکھتا ہے۔
16. کریلا جسمانی فعالیت کے لیے کئی مفید وٹامنز رکھتا ہے۔
17. کریلے میں ایک ایسا جز پایا جاتا ہے جو انسولین کی طاقت کو قابو میں رکھتا ہے۔
18. کریلا شگر والوں کے لیے بہت کارآمد سبزی ہے۔

19 کریلا جسم میں اینٹی سیپٹک کا کام کرتا ہے اور کیل مہاسوں وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

20 کریلا زخموں کو جلد مندمل کرتا ہے۔

21 خواتین جو ایّام کی زیادتی سے پریشان رہتی ہیں ان کے لیے کریلا بہت مفید ہے۔

22 کریلے کا استعمال پھیپھڑوں کو صاف کردیتا ہے۔

کریلے کے بہترین نسخہ جات

نسخہ : کریلا موٹاپے کو دور کرنے کی بہترین دوا ہے‘ اس مقصد کے لیے دو ماشہ سفوف ہم راہ پانی روزانہ صبح نہار منہ استعمال کرنا چاہیے۔

نسخہ : کریلے کا پانی پِتّے کی پتھری میں مفید ہے۔ یہ پانی دو دو تولہ صبح و شام روغنِ زیتون دو تولہ ہم راہ دودھ سوتے وقت پلانا مفید ہے۔

نسخہ : کریلے کے پتوں کا پانچ تولہ پانی گائے کے ایک پاؤ گھی میں ملا کر پکایا جائے‘ جب پانی جل جائے تو باقی ماندہ گھی بواسیر خونی و بادی کے مسّوں پر لگانے سے چند دنوں میں مسّے غائب ہو جاتے ہیں اور جلن تو ایک ہی دفع لگانے سے دور ہو جاتی ہے۔

سبزیوں کا بادشاہ اور شوگر کا کنٹرول

آم ایک ایسا پھل ہے جسے پھلوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کریلا سبزیوں کا بادشاہ کہلاتا ہے۔ کریلے میں بھرپور غذائیت ہے‘ اسے قدرت نے بے انتہا خوبیوں سے نوازا ہے۔ شوگر کے مریضوں کے لیے یہ ایک قدرتی دوا ہے۔ کریلا صاف کرکے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے انھیں اچھی طرح سکھالیں اور ان ٹکڑوں کو باریک پیس کر پاؤڈر بنالیں‘ شوگر کے مریضوں کو یہ پاؤڈر آدھی چمچی صبح اور آدھی چمچی رات استعمال کروانے سے شوگر کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

کریلا قدرت کا انمول تحفہ

کریلا قدرت کا ایک انمول تحفہ ہے۔ ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔ اگر یہ کڑوا ہوتا ہے تو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آپ اس کی کڑواہٹ دور کرکے اسے کئی طریقوں سے پکا سکتے ہیں۔ ترکاری کھانے والوں کو چاہیے کہ وہ کم از کم ہفتے میں ایک بار کریلا ضرور کھائیں‘ یہ زیادہ مہنگی ترکاری نہیں ہے اور باآسانی دستیاب ہو جاتی ہے۔

احتیاط

ضرورت اس امر کی ہے کہ تیزی سے بڑھتے ہوئے مرض ذیابطیس کے لیے کوئی نیا‘ سستا اور موثر علاج دریافت کیا جائے‘ تاکہ مریض انسولین سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ ذیابطیس کے مریض جلد صحت پانے کی خواہش میں کریلے کا زیادہ رس پینے لگتے ہیں جو اکثر فائدے کے بجائے نقصان پہنچاتا ہے۔ کریلے کو بطور دوا استعمال کرنے سے قبل اپنے معالج سے ضرور مشورہ کرلیں‘ تاکہ وہ آپ کے مزاج اور عمر کے مطابق مقدار خوراک کا تعین کر سکے۔

بقیہ

حضرت ربیعہ بن فرّوخ

جب ربیعہؒ نہیں ہوتے تو یحیٰی بن سعیدؒ حلقہ لیتے اور حدیث بیان کرتے۔ یحیٰیؒ بھی بہت پختہ علم رکھتے تھے اور حدیث بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا کمال اور مہارت عطا فرمائی تھی‘ لیکن جیسے ہی ربیعہؒ لوٹ آتے تو یحیٰیؒ حلقہ چھوڑ دیتے‘ حالاں کہ ربیعہؒ عمر میں یحیٰیؒ سے کوئی بڑے نہیں تھے‘ بلکہ دونوں تقریباً ہم عمر ہی تھے‘ لیکن وہ ان کے ادب کی وجہ سے ایسا کرتے اور دوسری طرف ربیعہؒ بھی یحیٰیؒ کی خوب تعظیم فرماتے تھے۔

عبادت اور علم میں ایسی بلندیاں پانے کے ساتھ ساتھ سخاوت میں بھی ربیعہؒ اپنی مثال آپ تھے۔ پورے مدینہ میں ان جیسی سخاوت کرنے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ اگر کوئی شخص ان کی صحبت میں رہنا چاہتا یا ان کے ہم راہ سفر کرنا چاہتا تو اس شرط پر اجازت دیتے کہ وہ اپنے ساتھ زادِ سفر نہیں لے گا اور اس کا سارا خرچ انھی کو دے گا۔

عبیداللہ بن عمر کہتے ہیں : ”ربیعہ ہمارے عالم ہیں‘ ہم میں سب سے افضل ہیں اور ہمارے مشکل مسائل کا حل نکالنے والے ہیں۔“

سوار بن عبداللہ کہتے ہیں : ”میں نے ربیعہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔“

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں : ”ربیعہ عالم تھے‘ فقہ اور حدیث دونوں کے حافظ تھے۔“

سن 631ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور وہیں بقیع قبرستان میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں‘ کروڑوں رحمتیں ہوں ان پر۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کے انتقال کے بعد حسرت و غم سے فرماتے تھے : ”ہمارے استاذ ربیعہؒ کے رخصت ہونے کے بعد اب فقہ اور علمِ دین کا مزہ باقی نہ رہا۔“

Your Friend In Real Estate

جُنید امِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی۔ایچ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے

جُنید امِین

BAHRIA TOWN

DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی

021-35313254 - 0300-9213373 junaidameen@live.com

منزل کی تلاش

قسط نمبر 6

عاتکہ سلیم

"میں پریا اور محمد کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" شکیل صاحب نے کہا۔ "ثنا کو بلال جیسا نیک ہم سفر ملا تو کیوں نہ ہم دونوں اپنے دین سے محبت کی خاطر ایک یتیم لڑکی کو اپنی بہو بنالیں، ویسے بھی اس کو ماں باپ کی ضرورت ہے، وہ ہم اسے پوری کردیں۔" آمنہ بیگم اور شکیل صاحب ایک بہت بڑا فیصلہ کر کے سکون کی نیند سوگئے۔

❋❋❋

اگلی صبح شکیل صاحب، بلال کے آفس گئے، جہاں اب محمد ہوتا تھا۔

"السلام علیکم، سر!"

"وعلیکم السلام! آئیں خلیل صاحب بیٹھیے۔"

"نہیں، سر! میں تو آپ کو یہ کہنے آیا تھا کہ کوئی شکیل صدّیقی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں، تھوڑی بڑی عمر لگ رہی ہے۔" خلیل، اس شخص کے بارے میں بتا رہا تھا، جبکہ محمد سوچ رہا تھا کہ بابا مجھ سے ملنے کیوں آئے ہیں؟ فون یا میسج کر دیتے تو میں خود ہی چلا جاتا۔

"سر، سر!" خلیل کی آواز پر وہ خیالوں سے باہر آیا اور بولا: "بھیج دیں انھیں۔" یہ کہہ کر محمد باپ کی تعظیم میں کھڑا رہا۔ شکیل صاحب اندر آئے تو محمد نے سلام کر کے انھیں بٹھایا اور کہا: "بابا! آپ نے مجھے کہا ہوتا میں خود چلا آتا۔ آپ نے خود تکلیف کیوں کی؟ آپ کو کوئی کام تھا کیا...؟"

"نہیں، بیٹا...! پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا۔" پھر انھوں نے کہا: "بیٹا! تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی بابا! کہیے... میں سن رہا ہوں۔"

"بیٹا! بات دراصل یہ ہے کہ اب تم بڑے ہوگئے ہو۔ اب تمہاری عمر ماشاء اللہ سے اتنی ہے کہ ہم تمہارے سر پر سہرا سجائیں اور تمہاری ماں کی خواہش بھی یہی ہے۔" پھر انھوں نے پریا سے متعلق سب بات کی اور کہا: "بیٹا! ہم تم پر کوئی زبردستی نہیں کریں گے، اگر تم ہاں کروگے تو اس سے بات کریں گے، ورنہ نہیں۔" محمد اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ "بیٹا! اچھی طرح سوچ کر جواب دینا۔ بچی مسلمان ہوگئی ہے، یتیم ہے، بے سہارا ہے، ماں اس کی مسلمان ہو کر دنیا سے گئی ہے۔ اب اس بچی کا سہارا بن کر سُرخ رُو ہو جاؤ بیٹا!" شکیل صاحب یہ کہہ کر چلے گئے اور محمد استخارہ کرنے کا سوچ کر مطمئن ہوگیا۔

محمد کا استخارہ صحیح آیا تو اس نے اپنی طرف سے بابا کو ہاں کہہ دیا، پھر آمنہ بیگم نے پریا سے محمد کے متعلق بات کی تو پریا حیران رہ گئی، وہ شش وپنج میں تھی کہ یہ لوگ جو مجھے جانتے تک نہیں، وہ مجھے اپنی بیٹی بنانے جا رہے ہیں اور سچے خونی رشتے دار اور بھائی، سب نے مجھے چھوڑ دیا ہے، وہ روتے ہوئے آمنہ بیگم کے گلے لگ گئی۔ آمنہ بیگم نے بھی اسے مضبوطی سے گلے لگائے رکھا، پریا کو ایسا لگا، جیسے وہ بہت مضبوط حصار میں ہے، پھر پریا کمرے میں گئی، جہاں زینب نماز پڑھ رہی تھی۔ پریا نے نماز پڑھنا سیکھ لی تھی، اس نے وضو بنایا اور نماز پڑھی۔ نماز پڑھ لینے کے بعد اس نے اپنے رب سے ایسی ایسی دعائیں کی کہ زینب کا دل چاہا کہ وہ اس کے سارے غم دور کردے۔ نماز پڑھ لینے کے بعد پریا نے عائشہ بیگم کو ہاں کہہ دیا۔

محمد بہت خوش تھا۔ اس کی خوشی چھپ نہیں رہی تھی، کیوں کہ وہ اپنے نبی کی سنت پر عمل کرنے جا رہا تھا۔ شکیل صاحب، ثنا اور بلال کا انتظار کرنا چاہ رہے تھے، مگر آمنہ بیگم نے کہا: "نکاح کروالیتے ہیں، تاکہ محمد اور پریا کو گھر میں آنے جانے کے لیے دِقّت نہ ہو اور ثنا اور بلال کے آنے کے بعد ان کی دعوت کریں گے۔" شکیل صاحب کو ان کا یہ مشورہ بہت اچھا لگا۔ جمعہ کی نماز کے بعد ان کا نکاح ہوا۔ پریا اور زینب دونوں بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ دونوں نے ایک ہی رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے تھے۔ آمنہ بیگم! ان دونوں کی نظر اتارے بغیر نہ رہ سکی، جبکہ حامد اور محمود بھی آچکے تھے۔

❋❋❋

محمد نے اپنی پسند سے پریا کا نام شیما رکھا اور وہ پریا آکاش سے شیما صدیقی بن گئی، اس کا یہ نیا اسلامی نام سب کو بہت پسند آیا۔ ثنا اور بلال کی واپسی بھی ہوچکی تھی۔ آج شام کو ثنا آپی اور بلال بھائی کی دعوت تھی۔

(جاری ہے)

”باجی میری شادی ہو رہی ہے۔“سارہ نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ خبر دی۔

”مبارک ہو! ایمان مکمل ہو رہا ہے اور آپ اداس ہو۔“

”باجی...!!“ کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

”دیکھو، سارہ!! عورت محنت اور محبت سے اپنی ہر بات منوا سکتی ہے۔ اب تین سال جو ہم نے آپ کو سکھایا ہے۔ اب آپ نے اس کا عملی نمونہ دکھانا ہے۔ اللہ آپ کو کامیاب کرے۔“ بڑی باجی نے گویا اس کا مسئلہ ہی حل کر دیا۔

”آمین!“ سارہ نے کہا اور ایک عزم کے ساتھ اٹھی۔

❁❁❁

آج سارہ کا نکاح ہو گیا تھا۔ اب وہ کسی سے منسوب ہو گئی تھی۔ اس کا موبائل بجا، کوئی میسج آیا تھا۔ ”مبارک ہو مسز بلال...!!“

”خیر مبارک...!!“ اس نے بھی لکھا۔

اس کی شادی سادگی سے ہوئی تھی۔ کوئی جہیز کا مطالبہ نہیں تھا، پھر بھی امی ابو نے اپنی استطاعت سے زیادہ ہی دیا تھا۔ یہ والدین بھی نا...!!

❁❁❁

بارات کا فنکشن تھا۔ نیت یہی تھی کہ سب رشتہ داروں کی دعوت کریں، نہ کہ ہندوانہ رسم کی پیروی...!! لال رنگ کے جوڑے میں، مہندی سے لبریز ہاتھ، وہ نہایت خوب صورت لگ رہی تھی۔ مرد اور عورتوں کا الگ انتظام تھا۔ کسی مرد کو عورتوں کی طرف آنے کی اجازت نہ تھی، یہاں تک کہ دولہے کو بھی آنے سے منع کیا تھا، کیوں کہ سارہ جانتی تھی کہ دوسری شرعی پردہ کرنے والی خواتین کو تکلیف ہو گی۔ اُسے یاد تھا کہ کس طرح شادیوں پر دولہے یا مووی میکر کی وجہ سے اُسے پردہ میں رہنا پڑتا تھا۔ سب کو تصاویر کھینچنے سے منع کیا گیا تھا۔ ایسی شادیاں ہی خیر و برکت کا باعث ہوتی ہیں...!!

بھی تھا کہ کوئی اچھا سا برقع لے لو یا میں لے دیتی ہوں۔“

”میری امی جان!“ سارہ نے ہاتھوں کو چوما ”دیکھیں! اصل پردہ تو یہی ہے نا کہ میرے لباس میں کوئی کشش نہ ہو۔ اگر برقع پہن کر بھی پردہ نہیں تو کیا فائدہ ایسے برقع کا۔“ سارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

اُسے مدرسے کا پہلا سال یاد آیا، جب ان کے برقعوں کی چیکنگ ہو رہی تھی اور باجی نے پیار سے سمجھایا تھا: ”کیا آپ سب لباس کے اوپر ایک اور لباس پہننا پسند کریں گی... نہیں نا!! تو پھر ایک لباس کے اوپر یہ چمک دار اور خوب صورت لباس، جس کو آپ برقع کہہ رہے ہیں کیوں...؟؟“ سارہ کو اس وقت اتنی شرم محسوس ہوئی تھی کہ اس کے بعد سے اس نے سادہ برقع پہننا شروع کر دیا تھا۔

ایک دن ثاقب ماموں آئے ہوئے تھے تو آئس کریم کا پروگرام بنا۔ سب برقع وغیرہ پہن کر نکل رہے تھے کہ ماموں بولے: ”اب پوری مبارک ہو سارہ!“ اور سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ ”آہ... پرانی یادیں... کیا اب میں واقعی مدرسہ کبھی نہیں جا پاؤں گی؟“ سارہ نے ایک سرد آہ بھری۔

❁❁❁

اتوار کا دن تھا۔ ”چلو سارہ!! ڈنر پر چلتے ہیں۔“ بلال اچھے موڈ میں تھا۔

”ٹھیک ہے! آپ امی ابو سے بھی ایک بار ساتھ چلنے کا پوچھ لیں، اگر چلیں گے تو بہت مزہ آئے گا، ورنہ دعائیں تو ضرور ملیں گی۔“ سارہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔ بلال مسکرا دیا۔ امی ابو نے خوشی سے جانے کی حامی بھر لی۔

بلال کو کچھ اختلافات تھے اس سے، پر وہ اسی دین داری کا سوچ کر مطمئن ہو جاتا تھا، بلکہ اس کی محبت میں کچھ اضافہ ہی ہو جاتا تھا۔ سب مل کر ڈنر کرنے گئے تھے۔ کسی پیزا پارلر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سارہ کو کھانے میں بالکل مشکل نہیں ہو رہی تھی، البتہ بلال کو کچھ نہ کچھ کوفت ہو رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ نقاب میں بھی کھانا کھایا جا سکتا ہے۔

”یار...!! مشکل ہو رہی ہے تو اتار دو نقاب!“ بلال بولا۔

(جاری ہے)

بنتِ گوہر

ہجرت

قسط نمبر 9

جن لوگوں کو تہجد کی عادت ہو، وہ اس سے غافل نہیں ہوا کرتے۔ اس کی آنکھ روز کی طرح تین بجے کھل گئی تھی۔ چہرہ اچھی طرح دھویا، وضو کیا اور اللہ کے حضور کھڑی ہو گئی۔ دعا میں مشغول تھی کہ آنکھ لگ گئی۔

اگلا دن اس کی شادی شدہ زندگی کا پہلا دن تھا۔ اس نے دل میں دعا کی کہ اللہ پاک سارے معاملات اچھے کرے۔ شکر ہے... کوئی دیور، جیٹھ نہ تھا، اس طرح سارہ کے پردے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ وہ اچھی سی تیار ہوئی اور سر پر دوپٹہ نماز کے سے انداز میں پہن کر کمرے سے باہر نکلی اور کام میں مشغول ہو گئی آج کا دن اس کا بہت اچھا گزرا۔

❁❁❁

آج وہ اپنی امی کے گھر آئی تھی۔ سلام کیا اور بیٹھ گئی۔

”بیٹا! کسی نے کچھ کہا تو نہیں نا...؟؟“ امی نے پوچھا۔

”کس چیز پر؟“ وہ نا سمجھ بن گئی۔

”پردے پر بیٹا! تم ابھی بھی کالا برقع اور نقاب پہنتی ہو۔ لگتا ہی نہیں کہ شادی شدہ ہو۔ تم کو کہا

قسط نمبر 7

مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا ﷺ

جنید حسن

بئرِ روما: بئرِ روما مدینے سے تقریباً 90 کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ بئر ''کنویں'' کو کہتے ہیں۔اس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا تھا۔ یہ کنواں آج تک چل رہا ہے۔ ہم پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ کنواں گہرا تھا اور پانی کھینچنے کے لیے پائپ اندر ڈالا گیا تھا۔ باہر ایک پانی کی ٹنکی تھی، جس میں تین چار نل لگے ہوئے تھے۔ ہم نے سنا ہوا ہے کہ اس کا پانی گردوں اور خاص کر ڈائلیسز (Dialysis) کے مریضوں کے لیے خاص شفا ہے۔ میری خوش دامن بھی اس مرض میں مبتلا ہیں اور در حقیقت وہ ہمت و حوصلے کی عظیم مثال ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ اسی دعا کے تناظر میں ہم نے بھی ان کے لیے چھوٹے کین پانی کے وہیں سے خرید لیے اور اس کے بعد ہم وہاں سے اپنی آخری منزل مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

مدینہ: 5:00 بج چکے تھے اور ابھی سوا گھنٹے کی مسافت باقی تھی۔ تھکن طاری ہونے لگی تھی اور نیند کا غلبہ بھی تھا، مگر اس خیال نے مجھے سونے نہ دیا کہ میں مدینہ کے بہت نزدیک آچکا ہوں، جو پہاڑ اور راستے نظر آرہے ہیں، انھوں نے اپنی زندگی میں حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو اور خصوصاً ان کو جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم اور اللہ کی مشیّت سے اس طیّب شہر، مدینہ کی طرف اسی راستے سے ہجرت کی تھی، یہاں سے گزرتے، ٹھہرتے اور چلتے پھرتے دیکھا ہوگا۔ کتنے مقدّس ہیں یہ راستے، کتنا خوش بخت ہوں میں۔ کچھ دیر بعد ''مقامِ ذوالحُلیفہ'' نظر آنے لگا، جو مدینہ کی حدود کے کنارے واقع ہے اور جہاں سے مکہ واپس جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کہ آپ ﷺ نے یہاں سے احرام باندھا تھا، ہمیں بھی عمرے کے لیے باندھنا تھا اور بالآخر ہم حدودِ مدینہ میں داخل ہوگئے۔ سبحان اللہ و برحمتہ

ہماری گاڑی مدینہ کی سڑکوں پر رواں دواں تھی۔ ہم اشتیاق سے آس پاس کا مشاہدہ کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک ایسی شاہراہ سے گزرے، جس کے دائیں جانب ایک اور شاہراہ کے اختتام پر گنبدِ خضرا نظر آرہا تھا۔ اللہ کے فضل سے ہم روضۂ رسولِ مقبول ﷺ کے نزدیک آپہنچے تھے۔ آگے تھوڑا ٹریفک ملا، جس سے گزر کر ہم بخیر و عافیت اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ ہوٹل کا کمرہ فرسٹ فلور پر واقع تھا۔ ہوٹل بُک کرواتے ہوئے یہ بات خاص پیشِ نظر تھی کہ خواتین کو زیادہ چلنا نہ پڑے اور روضے کے نزدیک رہائش مل جائے۔ اسی اثنا میں مغرب کا وقت ہوگیا اور مسجدِ نبوی ﷺ سے اذان سنائی دینے لگی۔

مسجدِ نبوی (ﷺ): ہوٹل سے نیچے اترے تو دیکھا کئی لوگ اس کے عقبی دروازے سے نماز کے لیے جارہے ہیں۔ ہم بھی ان کے پیچھے ہولیے۔ ہوٹل کے ساتھ سڑک تھی، جسے پار کرتے ہی مسجد ہمارے سامنے تھی، گویا 2 سے 3 منٹ میں ہم مسجد کے بیرونی گیٹ نمبر 26 سے اندر داخل ہورہے تھے۔ اللہ کا کرم محسوس کیا کہ یہ گیٹ نمبر 26 ہمارے ہوٹل سے نزدیک ترین گیٹ تھا، جو مسجد کے شمال مشرقی کونے پر واقع تھا۔

جماعت کھڑی ہوگئی تھی، چناں چہ ہم نے وہیں مسجدِ نبوی ﷺ کے صحن کی صفوں میں نماز ادا کی۔ گرمی کے دن تھے، چناں چہ یہاں بھی مسجدِ حرام کے بیرونی صحن کی مانند بڑے بڑے دیوار گیر ''ریوالونگ فین'' ہوا کے ساتھ پانی کی پُھوار نچھاور کر رہے تھے۔ وہاں عام طور پر ہر دن پانی کی پُھوار پڑی نظر آتی تھی، مگر مسجدِ نبوی ﷺ میں یہ دن رات کا معمول تھا۔ نماز کے بعد ہم واپس ہوٹل پہنچے اور باری باری تازہ دم ہونے لگے، پھر کمرے میں سامان وغیرہ سیٹ کیا، چوں کہ مغرب سے عشاء کے درمیان محض سَوا گھنٹہ ہوتا ہے، چناں چہ اسی دوران عشاء کی اذان سنائی دینے لگی اور ہم مسجد آگئے۔

مسجدِ نبوی کا صحن کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور دروازوں پر بھیڑ تھی۔ عشاء کی جماعت کھڑی ہونے لگی تھی، سو وہ بھی ہم نے صحن میں بچھے قالینی مصلّوں پر ادا کی۔ مسجدِ نبوی کے اسٹرکچر میں فان (Fawn) کلر نمایاں ہے اور یہ دنیا کی دوسری بڑی اور دنیا کے بہترین تعمیراتی اور آرائشی سامان سے آراستہ مسجد ہے اور اسے وہ امتیاز حاصل ہے، جو دنیا کی کسی اور عمارت کو نہیں ملا، یعنی یہاں رسول اللہ ﷺ کی آخری آرام گاہ ہے، جس میں وہ حدیث کے مطابق بقیدِ حیات ہیں۔ اسے ایکسپلور (Explore) کرنے کے لیے کافی وقت چاہیے۔ ہم نے اگلے 3 دنوں تک اسے کچھ ایکسپلور کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ خیر اب ہمیں اپنی مدینے آمد کا سب سے بڑا مقصد پورا کرنا تھا۔ روضۂ رسول ﷺ کی حاضری اور صلاۃ و سلام پیش کرنا...!! روضۂ رسول ﷺ پر خواتین کی حاضری کے 3 وقت مقرّر تھے۔ بعد نمازِ فجر، ظہر اور عشاء، لیکن ایک زبردست مصروف اور سفر میں گزرنے والے دن کے بعد ہم کافی تھک چکے تھے اور قطار کے لگنے کے متحمل نہ تھے۔ نیز فقہائے کرام نے روضۂ نبی ﷺ کی حاضری کے آداب بیان کیے ہیں کہ خوش پوشی اور تازگی کے ساتھ حاضر ہونا ہر امتی کے لیے بہتر ہے، چناں چہ ہم نے نمازِ فجر کے بعد حاضری کا ارادہ باندھ لیا اور یہ طے کیا کہ نماز کے بعد گیٹ نمبر 26 پر ملیں گے۔

(جاری ہے)

Explore The World

with Best Travel Partner

4 STAR PACKAGE — BEIRUT LEBANON

03 NIGHTS / 04 DAYS

PKR 140,000/-
Per Person (Triple Sharing)

- Visa Processing
- Return Air Ticekt
- 4 Star Hotel Accomodation
- Farayya Tour (Cable Car, Waterfall & Safari)
- Full Day Trip (Jeitta Grotto, Harissa, Panaromic, Byblos)
- All Transfers with English Speaking Guide
- Full Board (3 Times Meal)
- City Tour

Group Departure on 8th Sep, 2019.

3 STAR PACKAGE — AZERBAIJAN

04 NIGHTS / 05 DAYS

PKR 52,000/-
Per Person (Twin Sharing)

- Visa Processing
- Baku and Gabala City Tour
- Absheron Tour
- Gobistan Tour
- Daily Breakfast
- All Transfers Included on Private Basis
- 2 Bottles of Water Per Day
- English Speaking Guide
- Entrance Fee Old City, Fire Museum, Fire Mountain, Fire Temple, Gobustan & Gabala Cable Car

4 STAR PACKAGE — TURKEY

03 NIGHTS / 04 DAYS

PKR 128,000/-
Per Person (Twin Sharing)

- Visa Processing
- Return Air Ticket
- 4 Star Hotel Accomodation
- 3 Nights in Istanbul
- Daily Breakfast
- Half Day City Tour
- Cruise Dinner
- 2 Way Airport Transfers
- English Speaking Guide

Group Departure on 8th Sep, 2019.

GLOBAL EXPRESS
Travel & Tours

A/3-B Cosy Homes, Near Hasan Square, Block 13-A, Gulshan-e-Iqbal, Karachi.
021-34830077-78, 0321-3787373
info@globalexpresstravel.com.pk
www.globalexpresstravel.com.pk

Limited Seats Available
Last Date of Booking 10th August, 2019
All packages are subject to availability at the time of booking.

خط نمبر 50

محمد دانش

باپ کا بیٹی کے نام خط

والدین کے رتبے میں توازن

میری سعادتمند بیٹی۔ ہزار ہا دعائیں

بیٹی! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ تمام خونی رشتے کتنے پیارے ہوتے ہیں، بہن، بھائی، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، ماموں، خالہ اور پھوپی غرض تمام رشتے داروں سے تعلق رکھنا ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا اور صلہ رحمی کرنا ہمارا دینی اور معاشرتی فریضہ ہے۔ لیکن آج کل کے مصروف دور میں سب کے درجہ بدرجہ حقوق ادا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ جتنا کوئی کر سکے ان کے حقوق ادا کرتا رہے اور ان سے کم سے کم توقعات رکھے۔

بھائی سب بہنوں کو بہت پیارے اور ان کا مان ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہنیں بھی بھائیوں کو بہت عزیز اور ان کی لاڈلی ہوتی ہیں۔ بچپن سے نوجوانی تک کا سفر ان کی سنگت میں گزرتا ہے اور پھر جب بڑے ہو کر سب اپنے اپنے گھروں کے ہو جاتے ہیں تو اس دور کی صرف یادیں ہی رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جب بہن بھائی والدین کے زیر سایہ رہ رہے ہوں تو ایک دوسرے کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں کہ ان کی یادیں خوش کُن ہوں۔

بیٹی! ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمام رشتے محبت، احساس، خیال رکھنے اور قربانی سے مضبوط کیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو ہر رشتہ ایک نہ ایک دن اپنی چاہت کھو کر ماند پڑ جاتا ہے۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ اپنی مصروف زندگی سے وقت نکال کر اپنے رشتہ داروں کا حسب مراتب جتنا ممکن ہو خیال رکھیں۔ انہیں عیدین اور خوشی کے موقع پر مبارکباد بھیجنے اور پریشانی یا غم میں تسلی اور دلاسا دینا ہرگز نہ بھولیں۔

رشتہ داریاں نبھانے کے لیے اپنے دل کو بہت وسیع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ ساتھ تحمل، برداشت اور درگزر سے کام لینا پڑتا ہے۔ رشتہ داروں میں اکثر غلط فہمیاں، بدگمانیاں، ناراضگیاں اور گلے شکوے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ان سے گھبرایا نہ کریں۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ بدگمانی کو جلد از جلد دور کریں۔ گلے شکوے تو اپنوں ہی سے ہوتے ہیں۔ انہیں علیحدگی میں محبت اور اپنائیت سے براہ راست دور کریں۔ کسی رشتہ دار سے دوسروں کی برائی نہ کریں اور نہ سنیں اور کہی سنی باتوں پر کان نہ دھریں۔ تاکہ بدگمانی اور غلط فہمی سے بچا جا سکے۔ بعض گھرانوں میں ننھیالی رشتہ داروں سے اچھے تعلقات رکھے جاتے ہیں اور ددھیال کے رشتے داروں سے برائے نام تعلقات ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کچھ خواتین کے اپنے سسرال والوں سے اچھے تعلقات نہیں ہوتے اس وجہ سے وہ اپنے بچوں کو بھی ان سے دور رکھتیں ہیں۔ یہ نامناسب رویّہ ہے۔ بچوں کے لیے والدہ اور والد دونوں کے رشتے دار یکساں قابل احترام ہونے چاہئیں۔ لہٰذا آپ اس بات کا ضرور خیال رکھیں۔

رشتوں کو بہ طریق احسن نبھانے کے لیے ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہم دوسروں سے ایسا ہی برتاؤ کریں جو ہم ان سے اپنے ساتھ برتاؤ کی توقع رکھتے ہوں اور ہر موقع پر اپنے آپ کو دوسروں کی پوزیشن میں رکھ کر انصاف کے ساتھ سوچیں کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتی تو کیسا محسوس کرتی۔ اس طرح ہمارا رویّہ دوسروں کے ساتھ درست ہو سکتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ہماری بیٹی والدین اور دیگر رشتے داروں کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان سے حتی المقدور بہترین تعلقات رکھے گی۔ کیونکہ آپ تو جانتی ہیں کہ ہماری معاشرتی زندگی کا حسن اور لطف آپس میں اتفاق، پیار، محبت اور حسن سلوک سے رہنے میں ہی ہوتا ہے۔

دعا گو

آپ کے ابو

قربانی

اہلیہ مظفر

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔۔۔!"

میرے رب کا کلام کیا کہتا ہے: "پس' آپ نماز ادا کیجیے اپنے رب کے لیے اور قربانی کیجیے۔"

مخاطب کون ہے۔۔۔؟ وہ ذاتِ عالی' جو اتنی بلند مرتبت ہے کہ اگر میرا رب خاص قرآن میں خطاب کر کے' ان کو یہ حکم بطورِ خاص نہ بھی دیتا تو تب بھی انھوں نے لبیک ہی کہنا تھا۔۔۔ واللہ! انھوں نے سرِ تسلیم خم ہی کرنا تھا۔۔۔ وہ ایسے ہی فرماں بردار تھے۔۔۔ وہ ایسے ہی اپنے رب کے بندے اور رسول تھے' لیکن میرے رب نے خاص ان کے لیے یہ حکم تکریم کے ساتھ اتارا' چوں کہ امت کو اس فرض کی اور اس عمل کی اہمیت بتانا مقصود تھا۔ سو! میرے رب نے مخاطب اتنا خاص چُنا' جس نے اس حکم کو بھی خاص کر دیا۔ پہلا حکم عبادتِ بدنی تھا اور دوسرا عبادتِ مالی ہے۔ یہ سنت الاوّلین ہے' اس سنت کو زندہ کرنے والے کو "خلیل اللہ" کا درجہ ملا تو ثابت قدم رہنے والے کو میرے رب نے "ذبیح اللہ" فرما دیا۔ عطا ایسی ہے تو جزا کیسی ہو گی۔۔۔؟ اس فرض کو میرے رب سے بہتر کون بتا سکتا ہے؟ میرے نبی ﷺ سے بہتر کون ادا کر کے دکھا سکتا ہے؟ بلاشبہ کوئی نہیں۔۔۔! حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے نزدیک مرتبہ میں سب سے بڑا دن "یوم النحر" ہے۔"

***

"امی! کیا کیا لائی ہیں آپ؟ بتائیں نا۔۔۔ ابو! آپ ہی بتا دیں۔" یہ شِزا تھی' جو دروازہ کھولنے کے بعد پیچھے سے اُچک اُچک کر دیکھنے کی کوشش میں حال سے بے حال ہو رہی تھی کہ اتنے بڑے بڑے شاپرز میں اللہ جانے کیا کیا ہے۔

"ارے' بھئی۔۔۔ صبر کرو! اندر ہی جا رہے ہیں۔" صابر صاحب اپنی سب سے چھوٹی بیٹی' جو ابھی نویں جماعت میں تھی کے بے صبرے پن پر آنکھیں دکھاتے اور دُکھتے ہاتھوں سے بولے' لیکن مجال ہے جو شزا پہ کوئی اثر ہوا ہو۔

"مجھے دے دیں نا ابو۔۔۔ میں لے جاتی ہوں۔"

"کیا ہو گیا شزا۔۔۔! باپ کو سانس تو لے لینے دے۔ جا پانی لے کر آ۔" صُغریٰ بیگم نے اُس کے اِس اُتاؤلے پن پر بکھری سانسوں کے ساتھ اُسے لتاڑا تو وہ فوراً "جی" کہتے ہوئے اندر کی طرف بھاگ گئی اور صُغریٰ بیگم "پاگل لڑکی" کہتے ہوئے پھولی سانسوں کے ساتھ لاؤنج میں پڑے صوفے پر ڈھیر سی ہو گئی۔ صابر صاحب کی الگ حالت خراب ہو رہی تھی کہ اتنے میں شزا پانی لے کر آ گئی۔ ٹھنڈا پانی پی کر حالت کچھ بہتر ہوئی تو صابر صاحب نے باقی بچوں کے متعلق دریافت کیا۔ صابر صاحب کا یہ کہنا تھا اور شزا طوطے کی طرح شروع ہو گئی۔

"اصل میں آپی کی طبیعت گرمی کی وجہ سے تھوڑی خراب ہے تو وہ فُل اے۔ سی چلا کر سو رہی ہیں اور ربیعہ آپی! جو آپی کے بغیر نہیں رہ سکتی تو وہ بھی ان کا ساتھ دے رہی ہیں' مطلب کے سو رہی ہیں۔۔۔ اور رہا سوال بھیّا کا تو وہ پتا نہیں کہاں ہیں؟ اور اسد ٹیوشن گیا ہوا ہے اور رہی میں تو میں تھوڑی فالتو انسان ہوں' اس لیے گھر کی چوکیداری کر رہی ہوں۔ اب بتائیں۔۔۔ بلکہ دکھائیں ابو! آپ کیا کیا لائے ہیں؟" بغیر فُل اسٹاپ لگائے سب کی حرکات باپ کے گوش گزار کر کے اس کی سوئی' وہیں پر آ کر اَٹکی' جہاں پر اس کا دماغ اٹکا ہوا تھا اور اس کی تیز گام کی طرح چلتی زبان دیکھ کر صابر صاحب کا ہاتھ گلاس تھامے ہَوا میں معلّق ہی رہ گیا تھا اور صغریٰ بیگم آدھی لیٹی آدھی بیٹھی ہاتھ گال پر ٹکائے گویا آنکھوں سے اس کا ایکسرے کرتی جہاں کی تہاں تھی۔

"ہائے اللہ' ایسی زبان۔۔۔!" صغریٰ بیگم کی زبان تھوڑا بولنے کے قابل ہوئی تو یہ کہتے ساتھ ہی انھوں نے پاس بیٹھی شزا کی پیٹھ پر دھموکا رسید کیا۔ شزا اتنا بھاری ہاتھ پڑنے پر بِلبلا اٹھی۔ "کیا ہے امی۔۔۔ میں نے کیا کِیا ہے؟"

"کیا کِیا ہے۔۔۔؟" تحیر سے صغریٰ بیگم نے اسی کی بات دُہرائی۔ "گز بھر کی لمبی زبان۔۔۔ باپ کا بھی لحاظ نہیں ہے تجھے' بس! اَگٹ پٹ کیے جارہی ہے۔ ایسی زبان کے ساتھ ماں باپ کا نام خوب روشن کرے گی۔۔۔ اور آپ کیا دیکھ رہے ہیں صابر صاحب۔۔۔؟" اب توپوں کا رُخ صابر صاحب کی طرف ہو چکا تھا۔ شنزا نے کِھسکنے میں ہی اپنی عافیت جانی اور منظر سے غائب ہوگئی۔

❁❁❁

شام تک شنزا کی بے تابی عروج پر پہنچ چکی تھی' قبل اس کے کہ وہ خود ہی شاپرز چیر پھاڑ دیتی' صغریٰ بیگم نے شام کی چائے پر آپی سے شاپرز لاکر کھولنے کا کہا اور کھلتا شاپر' سب کی آنکھیں کھول گیا۔ اب "یہ میرا ہے' یہ میرا ہے" کی جنگ شروع ہو چکی تھی' اس میں سارے بچوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ شاپنگ کی گئی تھی۔ معمولی سے معمولی چیز بھی برانڈ دیکھ کر لی گئی تھی۔ ایک شاپر میں نئے پردے' کشنز' نیز کراکری اور سجاوٹ کا سامان تھا۔ اب صغریٰ بیگم کہہ رہی تھی۔

"صوفے کا آرڈر دے کر تو ہم آگئے ہیں۔ بس! کلر والا بھی کل پرسوں آجائے گا تو پورا گھر نیا نکور ہو جائے گا' پھر دیکھنا۔۔۔ زرینہ آپا کی آنکھیں ہمارا گھر دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔" اِک غرور سا ان کے لہجے میں بول رہا تھا۔ اس سب چکر میں ان کی نگاہ صابر صاحب کی طرف گئی ہی نہیں' جو پریشانی سے اپنا ماتھا مَسل رہے تھے اور شنزا کَن اکھیوں سے انھیں جاتا دیکھے جارہی تھی۔

❁❁❁

"صغریٰ! میں سوچ رہا تھا کہ کلر بعد میں کروالیتے ہیں۔ ابھی۔۔۔" وہ کچھ بولتے بولتے رک گئے اور صغریٰ بیگم جو ہر فکر سے آزاد بیٹھی چائے کی چُسکیاں لے رہی تھی' اس بات پر تیکھے چتونوں سے انھیں دیکھنے لگی۔ اس کے اس انداز پر صابر صاحب تھوڑے گھبرا گئے۔ "میرا مطلب تھا کہ قربانی بھی تو کرنی ہے نا۔" دل کڑا کر کے آخر کار انھوں نے جملہ مکمل کر ہی لیا۔

"تو کلر کا قربانی سے کیا تعلق ہے صابر صاحب۔۔۔!"

"تعلق تو کوئی نہیں ہے' لیکن ابھی اتنی بساط نہیں ہے۔ سعد اور میری تنخواہ پہلے ہی اس سارے چکر میں آدھی ہو چکی ہے اور صوفے کے پیسے بھی ابھی دینے باقی ہیں' پھر کلر کے لیے آفس سے جو میں اُدھار لے رہا ہوں' اُس سے قربانی کر لیتے ہیں۔ کلر بعد میں ہوتا رہے گا۔" صابر صاحب نے تفصیل سے اپنی بات سمجھائی' لیکن ان کی زوجہ شاید ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال چکی تھی۔

"تو ہم پر قربانی فرض ہے کیا؟ ہم کون سا صاحبِ نصاب ہیں۔" ان کی اس لاپروائی سے جواب دینے پر صابر صاحب نے افسوس سے انھیں دیکھا۔

"اللہ کا خوف کریں صغریٰ بیگم! ہم صاحبِ نصاب نہیں ہیں کیا؟ بس! میں قربانی کر رہا ہوں۔ تین حصے ڈالنے ہیں۔ میں کسی مدرسے میں اپنا حصہ ڈال رہا ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے اٹھنے لگے۔

"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے صابر صاحب! اگر حصہ ڈالنا ہے تو اپنا حصہ ڈال لیں۔ میں اور سعد اگلے سال کرلیں گے قربانی۔" بے توجہی ابھی بھی ان کے لہجے سے عیاں تھی۔ "میں زرینہ آپا کے سامنے شرمندگی نہیں اٹھا سکتی۔۔۔!"

"اور اللہ کے سامنے۔۔۔؟" سوال تھا یا کوئی انگارہ۔ تھوڑی دیر کے لیے ان کی زبان کو چپ کے تالے لگ گئے۔ "بولیں نا! اللہ کے سامنے شرمندگی اٹھا لیں گی۔" صابر صاحب ان کے جواب کے منتظر کچھ دیر کھڑے رہے' پھر باہر نکلنے لگے تو ایک آواز نے انھیں منجمد کردیا۔

"ابو! میرے پاس یہ پندرہ ہزار روپے ہیں۔ آپ ان سے قربانی کرلیں امی اور بھیا کی۔ ابو! ہو جائے گی نا ان پیسوں سے قربانی۔۔۔؟ میں کل اسکول گئی تھا نا تو ہماری اسلامیات کی ٹیچر کہہ رہی تھیں کہ قربانی اللہ کا وہ محبوب عمل ہے' جس سے بندے کا اللہ کی محبت کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ ہمیں تو اللہ سے محبت کرنی چاہیے نا ابو۔ یہ پیسے میں اپنی پاکٹ منی سے عمرے میں جانے کے لیے جمع کر رہی تھی' لیکن خیر ہے اور ہو جائیں گے۔ آپ یہ لے لیں ابو۔ اللہ تعالیٰ کو پتا چلنا چاہیے کہ شنزا اِن سے کتنا پیار کرتی ہے۔" اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ صابر صاحب کے آنکھوں کے گوشے بھی بھیگ گئے تھے۔ انھوں نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اپنی معصوم بیٹی کا ماتھا چوم لیا۔ آج سے پہلے ان کو یہ احساس تک نہ ہو سکا تھا کہ بیٹیاں اتنی بڑی رحمت ہوتی ہیں' ان کی بیٹی کے دل کے اندر اتنا احساس چھپا تھا' وہ پہلے کب جانتے تھے۔

"میری بیٹی کتنی بڑی ہوگئی ہے۔ کتنی سمجھ داری کی باتیں کرنے لگی ہے۔ یہ پیسے آپ اپنے پاس رکھو بیٹا! قربانی ہو جائے گی سب کی اور عمرے میں' مَیں اپنی بیٹی کو خود لے کر جاؤں گا۔ ٹھیک ہے!" انھوں نے شفقت سے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا چہرہ لیتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

"اِدھر آ شنزا۔۔۔!" صغریٰ بیگم نے پکارا تو وہ "جی' امی!" کہتی ہوئی ان کے پاس آگئی۔ "اتنا بڑا سبق' جو تیرا باپ آدھے گھنٹے میں نہ سمجھا سکا' وہ تُو ایک لمحے میں سمجھا گئی۔" اس الزام پر صابر صاحب نے انھیں گھورنے کی کوشش کی' لیکن صغریٰ بیگم نے الٹا انھیں گھورا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔۔۔ میری یہ حساس اور معصوم بیٹی شکر ہے آپ پر گئی ہے' ورنہ۔۔۔ خیر چھوڑیں!" آگے اپنی بے عزتی کا خطرہ تھا' سو خاموش رہیں اور ساتھ ہی "شاباش" کہتے ہوئے ایک دھموکا شنزا کی پیٹھ پر دے مارا۔

"یہ کیا امی۔۔۔! شاباشی پر بھی کوئی مارتا ہے کیا۔۔۔؟؟" وہ کراہی۔

"میں مارتی ہوں۔۔۔ اب چل اٹھ! سعد کو بلا اور اس سے پوچھ کہ حصہ کہاں ڈالنا ہے قربانی کا۔" شنزا پیٹھ سہلاتی "اچھا" کہتی اٹھ کھڑی ہوئی اور صغریٰ بیگم اس سبق کو اپنے دل میں اتر جانے پر اُس کریم رب کا شکر ادا کرنے لگی' جو احساس بھی کسی عطا کی طرح ودیعت کرتا ہے۔

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi

1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore

19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

ہرا بھرا جشنِ آزادی

ام مصطفی

گڈّو میاں اس بار جشنِ آزادی ایک الگ طریقے سے منانا چاہ رہے تھے۔ پیارے بچو! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ چھوٹے سے گڈّو میاں کے دماغ میں بڑے بڑے آئیڈیا آتے ہیں۔ اس بار انھوں نے کچھ نیا اور منفرد کرنے کا سوچا، لیکن اس کے لیے انھیں ایک ٹیم بنانے کی ضرورت تھی، جس میں کچھ ان کے دوستوں کے علاوہ کچھ بڑوں کا ساتھ بھی لازمی تھا۔ اسی سلسلے میں انھوں نے ابو جی سے بات کی۔

ابو جی گڈّو میاں کی بات سن کر بے حد خوش ہوئے اور اس مہم میں ان کا بھرپور ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔

پپو، انس، عابد اور دانی کی ٹیم کے ساتھ گڈّو میاں تیار تھے۔ چودہ اگست آنے میں ایک ہفتہ باقی تھا۔ آج دوپہر سے ٹیم کو اپنے کام کا آغاز کر دینا تھا۔ گڈّو اور ان کی ٹیم ہاتھوں میں دستانے پہنے پورے محلے کے کچرے اٹھا اٹھا کر بڑے بڑے تھیلوں میں بھر رہے تھے۔ پہلے پہل تو بہت سوں نے ان سب کا مذاق اڑایا مگر کئی لوگوں نے سراہا بھی۔ دوسرے دن ان کی ٹیم میں چار مزید بچے بھی شامل ہو گئے اور پھر چوتھے روز پورا محلّہ آئینے کی طرح چمک رہا تھا جب کہ ٹیم مین بیس بچے شامل ہو چکے تھے، آج شام گڈّو میاں کو اپنی ٹیم اور محلے کے بڑوں سے کچھ باتیں کہہ کر درخواست پیش کرنی تھیں۔ ابو جی گڈّو میاں کے دائیں طرف کھڑے تھے۔ گڈّو میاں نے ننھا سا مائیک پکڑ رکھا تھا۔

پیارے دوستو اور محترم انکل! جیسے کہ آپ سب جانتے ہیں کہ دو دن بعد چودہ اگست ہے۔ ہر بار ہم چودہ اگست پر آزادی کی خوشی میں جھنڈا اور جھنڈیاں لگا کر ایک دن کی خوشی منا لیتے ہیں، پھر یہی جھنڈیاں گلی کوچوں میں کچروں میں اڑتی ہیں، اب کی بار میں نے اور میرے ساتھیوں نے سوچا کہ کیوں نہ اپنے پاکستان کو صاف ستھرا اور ہرا بھرا بنائیں اور جھنڈیوں اور بیجز کے پیسے اس مہم پر لگا کر اپنے وطن کو پیارا بنائیں۔ اس کا آغاز ہم اپنے محلے سے کر چکے ہیں، آپ نے دیکھا! چار دن کی محنت سے ہم نے اپنے محلے کو صاف ستھرا کرنے کی کوشش کی ہے اب امید ہے آپ سب سارا سال اس صفائی کو بحال رکھنے میں ہماری مدد کریں گے اور ایک ایک کوڑے دان کو اپنے اپنے گھر کے باہر نصب کر دیں گے۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور گزارش ہے کہ سب اپنے اپنے گھر کے آنگن یا صحن میں یا باہر کے پورشن میں اس چودہ اگست کو ایک ایک پودا لگائیں اور پھر سارا سال اس کی دیکھ بھال اور حفاظت کریں تاکہ اگلے سال وہ ایک لہلہاتا پودا اور تناور درخت بن کر ہمارے پیارے پاکستان کو خوب صورت بنا دے اور صاف ستھری ہوا اور موسم میسر آ سکے۔

''ماشاء اللہ ماشاء اللہ!!!'' اسلم انکل نے گڈّو کو گلے سے لگا لیا۔ ''گڈّو میاں زندہ باد'' پپو نے آواز لگائی اور اس آواز میں بچے اور بڑے سب شامل ہو گئے۔ اب سب بچے اپنے بڑوں سے جھنڈیوں کے بجائے بیج، کھاد اور پنیری خریدنے کے لیے پیسے لے رہے تھے۔

اگلے دن جب جشنِ آزادی کا سورج طلوع ہوا تو اس نے گڈّو میاں کے محلے کے ہر گھر کے باہر ایک ایک ننّھا ننّھا پودا لہلہاتا مسکراتا دیکھا اور پھر سورج میاں بھی پاکستان کو اس ہرے بھرے جشنِ آزادی پر مبارک باد دینے لگے۔

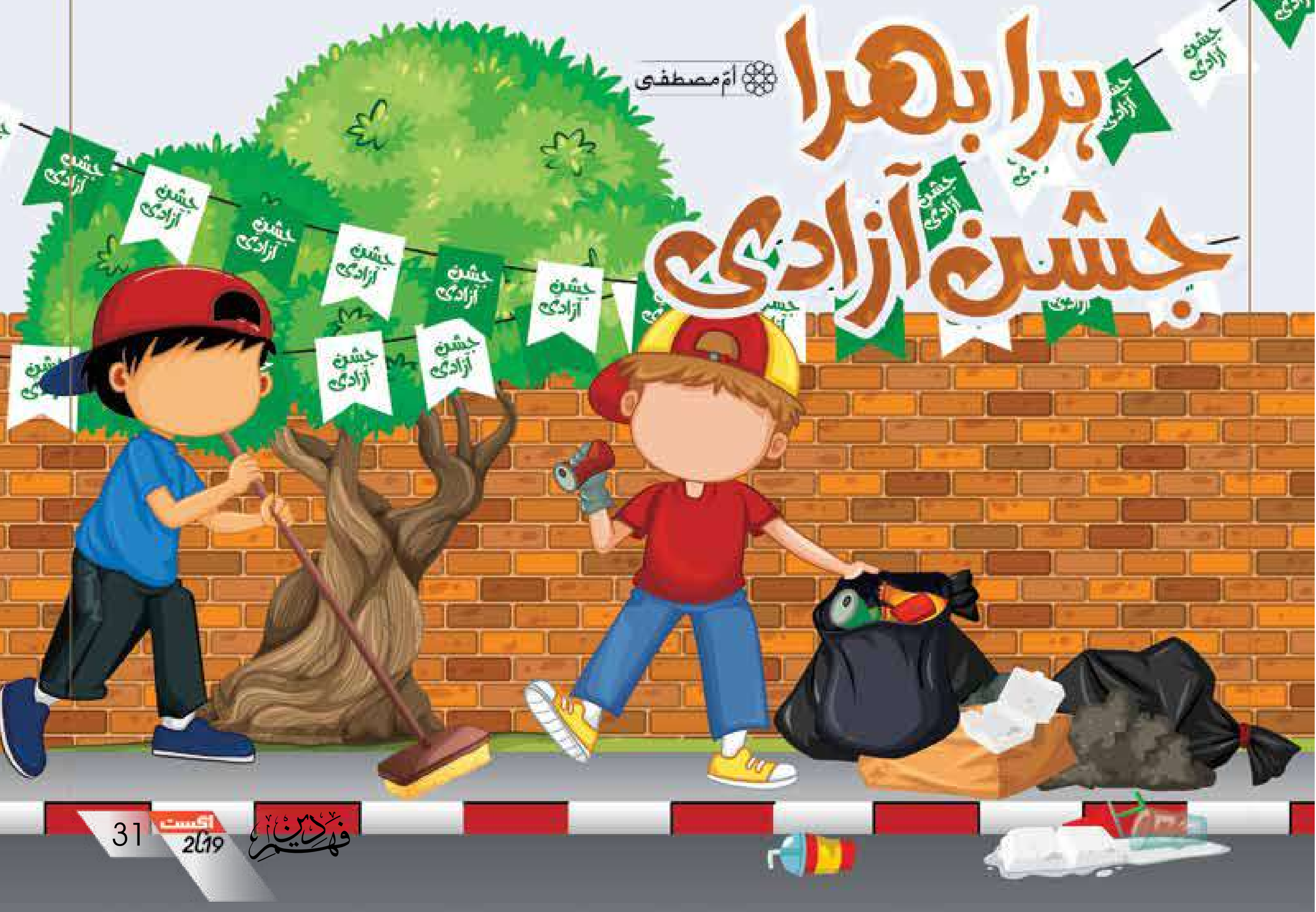

بچوں کے فن پارے

فاطمہ عبداللہ، ہشتم، 13 سال، کراچی

عبدالرافع، نہم، بیت السلام کراچی

طیّب حنیف، ششم، دس سال، کراچی

راشد طاہر، ہفتم، 12 سال، جامشورو

عفرا نور، ون، 5سال، کراچی

زینب ابراہیم، ہشتم، 12 سال، کراچی

عبیرہ گل، چہارم، 10 سال، ملتان

بول کہانی
کبوتر کی غٹر غوں

وفادار پرندہ

ڈاکٹر الماس روحی

وہ ایک بڑا سا باغ تھا' جہاں درختوں کا جُھنڈ تھا۔ ایک درخت پر کبوتروں کی ٹکڑی رہتی تھی۔ یہ ڈھیر سارے کبوتر صبح وشام غٹر غوں کرتے رہتے تھے۔ سڑکوں کے چوک پر یا گلی کے چوراہے پر کوئی نہ کوئی بھلامانس باجرہ 'گندم' چاول' سورج مکھی اور سرسوں کے بیج ڈال جاتا تھا۔ یہاں ایک ایسی سڑک یا گلی ''کبوتر چوک'' یا ''کبوتر گلی'' کے نام سے مشہور تھی۔ ایک دو کبوتر کی نظر کیا پڑتی' وہ درخت پر آکر غٹر غوں کا ایسا شور کرتے' پھر کبوتر کی ٹکڑی کو چوک یا چوراہے پر جانا پڑتا' جہاں وہ غٹر غوں کرتے اور گردن ہلاہلا کر باجرہ 'گندم کھاتے جاتے تھے' وہاں سے کبھی بھیڑوں کا گلہ 'کبھی بکریوں کا ریوڑ تو کبھی بھینسوں کا جُھنڈ گزرتا' مگر کبوتروں کی ٹکڑی تو کھانے میں مصروف رہتی۔ شمشیر اپنے داداجان کے ساتھ کبھی چوراہے پر اور کبھی گلی پر باجرہ 'گندم اور کبھی چاول ڈالتا۔ داداجان نے دانہ ڈالتے ہوئے' اسے بتایا کہ ''کبوتر مسجدوں' خانقاہوں اور ویرانوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ پرندہ اسی لیے زیادہ تر ایسی جگہوں میں دکھائی دیتا ہے۔ سفید قاصد کبوتر' محلّوں میں رہتے تھے۔ یہ پیغام رسانی کے کام کرتے تھے۔''

شمشیر نے پوچھا: ''دادا! یہ نیلا کبوتر کیوں ایسا ہے؟'' اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سیاہی مائل نیلا کبوتر' جس کی دُم کالی اور کالے رنگ کی چونچ ہے' یہ والا جنگلی ہے۔'' داداجان مسکرائے۔ شام کو کھانا کھانے کے بعد شمشیر داداجان کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھنے گیا۔ رات کو جب وہ سونے لگے تو اس نے داداجان سے پوچھا: ''اچھا' داداجان! یہ بتائیے کہ کبوتر سے ہم انسانوں کو کیا فائدے ہیں؟''

''بیٹا! کبوتر ایک ایسا پرندہ ہے' جو انسان کا دوست ہے' اس کا گوشت نمونیا' فالج' لقوے اور اعصابی کمزوری جیسی بیماریوں کو دور کرنے کے مقصد سے استعمال ہوتا ہے' پھر لوگ کبوتر بازی بھی کرتے ہیں اور ''آآ'' کر کے انھیں پکارا جاتا ہے' پھر انھیں پنجروں میں یا ڈربوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔''

''داداجان! یہ پیغام کیسے پہچاتے ہیں؟'' داداجان بولے: ''ان کے پیروں پر ایک چھوٹی سی پرچی باندھی جاتی تھی' اس طرح سے پیغامات پہنچایا کرتے تھے۔ جب ہم انھیں باجرہ ڈالتے ہیں تو چڑیوں کی طرح یہ بھی دعائیں دیتے ہیں۔ لوگ گھروں میں انھیں شوق سے پالتے ہیں' ان بھولی بھالی صورت' پیاری سی گردن اور چمکتی آنکھیں ان کو سب میں پسندیدہ بناتی ہے۔ یہ محبت کرنے والا اور وفادار پرندہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں' اس کی وفاداری کی مثال ہے۔''

''اچھا' داداجان! اس پرندے نے کیا وفاداری کی تھی؟''

''حضرت نوح علیہ السلام نے بستی میں سیلاب کے بارے میں معلومات چاہی اور کوّے سے کہا۔ کوّے نے وہاں جاکر مردہ گوشت کھانا شروع کر دیا اور پیغام نہیں پہنچایا' پھر آپ علیہ السلام نے کبوتر کو بھیجا۔ تھوڑی ہی دیر میں کبوتر غٹر غوں کرتے ہوئے واپس آیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کے پیروں کی گیلی مٹی سے اندازہ لگایا کہ سیلاب کا زور ختم ہو گیا ہے۔'' شمشیر داداجان کی باتیں سنتے سنتے سو چکا تھا۔

دوسرے روز کی صبح وہ سڑک کے چوراہے پر کھڑا کبوتروں کو باجرہ ڈال رہا تھا۔ ڈھیروں سفید' سیاہ اور سُرمئی کبوتر اُڑ اُڑ کر آرہے تھے اور غٹر غوں غٹر غوں کرتے جاتے تھے۔ اچانک شمشیر کی نظر ایک کبوتر پر پڑی' جس کے بازو میں زخم تھا' وہ پَر پھیلاتا تو بازو کا زخم نظر آرہا تھا۔ درد کی شدّت کی وجہ سے وہ باجرہ نہیں کھا پا رہا تھا۔ تکلیف سے وہ بلبلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ زمین پر لڑھک گیا۔ شمشیر نے اسے اٹھایا اور گھر لے آیا۔ داداجان نے اس کے زخموں پر ہلدی لگائی اور رات میں مرہم لگا گیا۔ دوسرے روز کی صُبح کبوتر کا زخم ٹھیک ہو چکا تھا۔ اس نے خوشی میں پَر پھیلایا' پھر ایک جُھرجُھری لی اور غٹر غوں غٹر غوں کرتے ہوئے شمشیر کا شکریہ ادا کیا۔ ''داداجان! یہ کبوتر تو بولتا ہے۔'' شمیر کو حیرت ہوئی۔ ''یہ گھریلو کبوتر ہے۔ پرندہ گھر میں رہ کر زبان سیکھ ہی لیتا ہے' بلکہ جس گھر میں یہ پرندے پلتے ہیں تو گھر والے ہی ان کی غٹر غوں غٹر غوں کو سمجھ جاتے ہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' داداجان کبوتر کے پاس صحن میں آئے تو کبوتر نے غٹر غوں غٹر غوں کرتے ہوئے سلام کیا اور پھر بتانے لگا:

(بقیہ ص 35 پر)

عید تو اب ہوئی

احمد رضا انصاری

ذوالحجہ کا چاند نظر آتے ہی بقرہ عید کی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی۔ چھوٹے بڑے سب عید کی تیاریوں میں مگن تھے۔۔گلی محلّوں میں بکروں، گایوں اور قربانی کے دوسرے جانوروں کی جیسے بہار سی آگئی تھی۔شام کے وقت بچے خوشی خوشی اپنے اپنے جانوروں کو سجا سنوار کر گلیوں میں گھماتے پھراتے۔ہر بچہ اپنے جانور کی بڑھ چڑھ کر خوب تعریفیں کرتا۔''میرا بکرا بہت خوبصورت ہے۔۔ ایسا بکرا تو محلے میں کسی کے بھی پاس نہیں!'' کوئی کہتا: ''اتنی شریف گائے کسی کے پاس نہیں، مجال ہے جو ذرا سی ٹکر بھی مار دے!'' کوئی کہتا: ''اس رنگ کی بھیڑ دنیا میں نایاب ہے۔ہم خوش قسمت تھے، جو مویشی منڈی میں اس رنگ کی بھیڑ مل گئی۔''

غرض! ننھے بچے بڑی بڑی باتیں کرتے، جنھیں سن کر راہ گیر ہنس پڑتے تھے۔عارف کی گلی میں تقریباً سب ہی گھروں میں قربانی کے جانور آچکے تھے۔پوری گلی میں محسن صاحب کا واحد گھر تھا، جہاں اس سال قربانی کے جانور کا آنا مشکل لگ رہا تھا۔محسن صاحب کے مالی حالات آج کل خاصے مخدوش تھے، ان کا اپنا چھوٹا سا بزنس تھا۔کچھ مہینوں سے کاروبار میں انھیں نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا، جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہنے لگے تھے۔اس وقت وہ ایک ایک پیسے کے محتاج تھے۔وہ ایک خوددار آدمی تھے، انھوں نے اور ان کی بیگم سلمیٰ نے پوری گلی میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی تھی کہ ان کے حالات کتنے خراب ہیں۔

ان کے تین بچے تھے۔پانچ سالہ عائشہ، اس سے بڑا سات سال کا زبیر اور سب سے بڑا بیٹا اذلان جو اس مہینے بارہ سال کا ہو گیا تھا۔چھوٹے بچے تو ابھی ناسمجھ تھے، لیکن اذلان گلی کے دوسرے بچوں کو قربانی کے جانور لیے چہل قدمی کرتے دیکھتا تو اس کا دل بھی چاہتا کہ اس کے پاس بھی ایک بکرا ہو اور وہ بھی ان بچوں کے ساتھ اپنا بکرا لیے گھومے۔

اس نے اپنے ابو سے بکرا لینے کی ضد شروع کر دی۔صبح شام اس کی زبان پر ''ہمارا بکرا کب آئے گا ابو جان؟ مجھے بھی بکرا چاہیے!'' جملہ رہتا تھا۔اس کی فرمائش پوری کرنا اس وقت محسن صاحب کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف تھی، وہ بے بسی محسوس کر رہے تھے۔تینوں بچوں کے کپڑے اور جوتے بھی وہ بہت مشکل سے لے پائے تھے۔ان حالات میں بکرا کہاں سے خریدتے۔۔۔؟

انھوں نے ایک دن اذلان کو پیار سے پاس بٹھا کر سمجھایا کہ ''بیٹا! اس سال قربانی کرنے کی ہمارے پاس گنجائش نہیں ہے۔اگر اللہ پاک نے چاہا تو اگلے سال ہم ضرور قربانی کریں گے اور ایک پیارا سا بکرا خرید لائیں گے۔'' ان کے سمجھانے بجھانے کا اذلان پر اثر ہوا اور وہ اپنی ضد سے باز آگیا، لیکن وہ اب اداس اداس رہتا تھا اور گھر سے نکلنا بھی بند کر دیا تھا۔

❀❀❀

آخر 9 دن بھی گزر گئے اور بقرہ عید کا دن آ گیا۔صبح سویرے میٹھا کھا کر سب مرد حضرات اور بچے عید کی نماز ادا کرنے عید گاہ کی طرف چل پڑے۔نماز کے بعد عید ملنے کا مختصر سا سلسلہ چلا اور پھر سب جلدی جلدی گھروں کو پلٹ آئے۔کسی نے اپنے جانور ذبح کرانے کے لیے قصائی کو بلوار کھا تھا تو کچھ لوگ خود ہی اپنے جانور ذبح کر کے گوشت بنانے میں جُت گئے تھے۔بچے عیدی لے کر گھروں سے باہر دکانوں کا رخ کر رہے تھے۔خوب چہل پہل کا عالم تھا، مگر محسن صاحب کے گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔تینوں بچے اپنی عیدی لے کر باہر دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے نکل گئے تھے۔محسن صاحب بھی کہیں گئے ہوئے تھے۔گھر میں امی جان تھیں جو اس وقت کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔12 بجے بچے واپس آگئے اور دس منٹ بعد محسن صاحب بھی گھر میں داخل ہو رہے تھے۔بچوں نے آتے ہی بھوک بھوک کا شور مچا دیا۔امی جان نے کہا کہ ''کھانا تیار ہے، ہاتھ دھو کر سکون سے بیٹھ جاؤ۔''

انھوں نے دستر خوان بچھایا اور کھانا چن دیا۔''امی جان! آج چاول کیوں بنائے؟ آج تو عید کا دن ہے۔گوشت پکانا چاہیے تھا نا آپ کو۔'' اذلان دستر خوان پر چاول دیکھتے ہی برا سا منہ بنا کر بول پڑا۔

''بیٹا! کسی بھی ہمسائے کے گھر سے گوشت نہیں آیا، میں کیسے پکاتی؟ جب کہ گھر میں

گوشت موجود ہی نہیں۔‘‘امی جان اداسی سے بولی۔

’’بازار سے منگوا لیتیں آپ۔۔۔؟‘‘اذلان خفگی سے بولا۔

’’بیٹا! میں بازار دیکھ آیا ہوں۔ بھلا بقرہ عید کے دن بھی کوئی گوشت والا ہوتا ہے بازار میں۔۔۔؟‘‘محسن صاحب نے کہا۔

’’تو آپ بازار گئے تھے گوشت لینے۔۔؟‘‘امی جان چونکی۔

’’ہاں! مجھے پتا تھا پڑوسیوں سے شاید گوشت نا آئے‘ اسی لیے بازار گیا تھا۔ نہ بڑا گوشت ملا اور نہ ہی مرغی کا۔ پرسوں شاید مرغی کا گوشت مل جائے۔ ابھی تو عید کی وجہ سے مرغی والوں نے بھی دکانیں بند کی ہوئی ہیں۔ اگر ایسی صورتحال کا مجھے پہلے علم ہوتا تو ایک دن پہلے ہی گوشت لے آتا۔‘‘محسن صاحب نے جواب دیا۔ ابو کی بات سن کر بچے اب خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔

محسن صاحب چوں کہ ہر سال سنتِ ابراہیمی کا فریضہ ادا کرتے تھے‘ اسی لیے ہمسائیوں نے شاید سمجھا کہ انھوں نے اس بار بھی قربانی کی ہے۔ آج کل ایک عجیب سا رواج چل نکلا ہے کہ جس گھر قربانی ہو‘ وہاں لوگ گوشت بھیجتے ہی نہیں یا اگر بھیجتے بھی ہیں تو چند بوٹیاں۔ باہر گلی میں جاری چھل پہل میں اضافہ ہو چکا تھا۔ پڑوسیوں کے دور اور نزدیک کے رشتے دار آ جا رہے تھے۔ دعوتیں چل رہی تھیں‘ لیکن دیوار کے اس پار کی کسی نے خبر تک نہ لی‘ کیوں کہ ہمسائیوں کے حقوق سب بھلا بیٹھے تھے۔ محسن صاحب کے گھر میں پھر سے خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ بچے کھانا کھا کر سو چکے تھے اور دونوں میاں بیوی اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھے تھے۔ یہ عید سب کے لیے بہت عجیب تھی۔

عصر کے وقت بچے جاگ اٹھے اور اذلان پھر گوشت کھانے کی ضد کرنے لگا۔ پڑوسیوں کے گھروں سے گوشت کے مختلف پکوانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں ان کے صحن میں چکراتی پھر رہی تھیں۔ محسن صاحب اور ان کی بیگم بچوں سے شرمندگی سی محسوس کر رہے تھے۔ ان کا اس شہر میں کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں تھا‘ جہاں سے وہ گوشت آنے کی امید کرتے۔ عصر کی اذان فضا میں گونجی تو محسن صاحب نماز ادا کرنے مسجد کی جانب بڑھ گئے۔

دروازے کی گھنٹی بجی۔ سلمیٰ بیگم نے جلدی سے دروازہ کھولا کہ شاید کسی پڑوسی کے گھر سے گوشت آیا ہو‘ گوشت آیا تو تھا لیکن پڑوسیوں کے گھر سے نہیں‘ بلکہ محسن صاحب مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ ان کے دونوں ہاتھوں میں شاپر تھے۔ ’’یہ لو بیگم! اس سبز شاپر میں سالن ہے اور اس نیلے شاپر میں کچا گوشت۔ لو پکڑو۔۔۔!‘‘ سلمیٰ بیگم نے ان کے ہاتھ سے شاپر لیے اور وہ اندر کچن کی طرف چلی گئیں۔ برتنوں میں سالن اور کچا گوشت نکال کر سلمیٰ بیگم کچن سے باہر آئیں اور چارپائی پر نیم دراز محسن صاحب سے پوچھا کہ ’’یہ گوشت کہاں سے لائے آپ؟‘‘

’’میں نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا تو میرا ایک پرانا دوست مل گیا۔ اس نے کچھ دِنوں پہلے ہی پچھلی گلی میں نیا گھر بنوایا ہے‘ وہ زبردستی مجھے اپنے گھر لے گیا۔ کھانا بھی کھلایا اور مزید کھانا ساتھ بھی دے دیا۔ کل شام اس کے گھر دوسری قربانی ہے۔ اس نے دعوت دی ہے کہ آپ اپنی بیگم اور بچوں کو ضرور اپنے ساتھ لائیے گا۔‘‘

سلمیٰ بیگم کے دل سے بے اختیار ان کے دوست کے لیے دعائیں نکلیں۔ وہ بہت خوش تھیں۔ رات کے کھانے پر گوشت دیکھ کر تینوں بچے بہت خوش ہوئے اور اذلان بولا:

’’امی جان! ہمارے گھر عید تو اب ہوئی ہے۔۔۔!‘‘

اور پھر بتانے لگا۔ ’’ہم کبوتر اپنا گھونسلہ تیلیوں اور درختوں کی نرم شاخوں اور پتّوں سے بناتے ہیں‘ اس روز میں بھی اپنا گھونسلہ بنا رہا تھا۔ اچانک بارش شروع ہو گئی اور میں اُڑتے ہوئے گر گیا۔ اچانک بلی نے جھپٹّا مارا اور میں زخمی ہو گیا۔ بدحواس سا جان بچانے کے لیے میں اڑتا ہوا درخت کی اونچی شاخ پر بیٹھ گیا۔ اس روز مجھے بہت تکلیف تھی‘ لیکن بھوک بھی لگ رہی تھی‘ اسی لیے چوراہے پر پہنچا اور شمشیر نے میری خدمت کی۔ ہم صبح آنکھیں کھولتے ہی غٹر غوں غٹر غوں کی جو آواز نکالتے ہیں‘ اس میں ہم ’’اللہ ہو اللہ ہو‘‘ کا ورد کرتے ہوئے‘ اپنے پیدا کرنے والی ہستی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ میں نے آج صبح غٹر غوں غٹر غوں کر کے اللہ پاک سے شمشیر اور دادا جان آپ کے لیے بھی دعا کی ہے۔‘‘ کبوتر کی باتیں سن کر شمشیر اور دادا جان مسکرا دیے۔ جب دادا جان اور شمشیر سڑک کے چوراہے پر باجرہ ڈالنے گئے تو زخمی کبوتر کو بھی ساتھ لے گئے۔ وہاں موجود سارے کبوتروں نے غٹر غوں غٹر غوں کر کے اس کا احوال پوچھا اور ساتھ مل کر باجرہ کھایا۔ زخمی کبوتر کا زخم ٹھیک ہو چکا تھا‘ اس لیے وہ بھی شمشیر اور دادا جان کو خدا حافظ کہہ کر اُڑ گیا۔

❀❀❀

کبوتر کی بولی... غٹر غوں غٹر غوں
سورج مکھی... پھول
بھلامانس... اچھا انسان
جھنڈ... ہجوم (بہت سارے درخت)
گلہ... بھیڑ‘ ہجوم
لُڑھکنا... گرنا
ٹکڑی... بہت سے کبوتر
ریوڑ... ہجوم

MEEZAN BANK (0127)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 0102749031

BANK ISLAMI (1024)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 1024-1030876-0001

DUBAI ISLAMIC BANK (0009)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 0383104002

UBL (0051)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 213610395

FAYSAL BANK (3400)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 3400301000000871

AL BARAKA (0108)
TITLE: BAITUSSALAM WELFARE TRUST
ACCOUNT NO: 102261146019

+92-21-111-298-111 | +92-321-2120004 | +92-322-2120004 | qurbani@baitussalam.org

ماہنامہ فہمِ دین اگست کے نئے سوالات

سوال نمبر1: زمزم کا پانی مسلمانوں اور منافقین کے درمیان فرق کرنے والی نشانی کیسے ہے؟
سوال نمبر2: اگر کوئی آدمی پورے سال صرف جمعے کا آدھے گھنٹے کا بیان سنے تو کتنے لوگوں کے ایمان محفوظ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے؟
سوال نمبر3: اللہ کا ولی کون ہے؟
سوال نمبر4: حمزہ کس کو رہ نما سمجھ رہا تھا اور امی جان نے اسے کیا سمجھایا؟
سوال نمبر5: پریا کی ماما کا اسلام قبول کرنے کے بعد نیا اسلامی نام کیا رکھا گیا؟

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں
اس کے ساتھ اپنا نام، عمر، کلاس، ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا، ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا۔ اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں، یا پھر وٹس اپ کے ذریعے
0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کر دیں۔

پیارے بچو!

کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جگہ کونسی ہے
اور ناپسندیدہ جگہ کونسی ہے؟
ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن ارشاد فرمائیں گے کہ
""میرے پڑوسی کہاں ہیں؟""
فرشتے عرض کریں گے کہ: "آپ کے پڑوسی کون ہیں؟""
ارشاد ہوگا کہ: ""مسجدوں کو آباد کرنے والے""
ایک حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں میں زیادہ محبوب مسجدیں ہیں،
اور سب سے زیادہ ناپسند بازار ہیں۔"" (جامع الصغیر)
تو پیارے بچو! ہمیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں۔
ہم کوشش کریں کہ کم سے کم بازار جائیں اور بازاروں کو تفریح گاہ نہ سمجھیں۔
دوسری بات یہ ہے کہ ہم چھوٹے ہیں،
نماز کے وقت تو اپنے والد یا بڑے بھائی کے ساتھ مسجد جائیں،
مگر ہم چھوٹے ہونے کی وجہ سے مسجد میں اگر زیادہ وقت نہیں گزار سکتے
تو ہمیں اپنے گھر کے ایک کونے کو ہی مسجد بنا لینا چاہیے
اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر اذکار کثرت سے کرنا چاہیے
اسی طرح گھر کی مسجد میں بچیاں بھی نماز، تلاوت اور ذکر زیادہ سے زیادہ کریں،
تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ اللہ کی پسندیدہ جگہ مسجد میں وقت گزارنے والے بن جائیں
کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ!!!

پیارے بچو!

مئی کے ماہ میں کچھ عذر کی وجہ سے ماہ نامہ فہمِ دین آپ سے سوالات نہیں پوچھ سکا، جس کی وجہ سے آپ سوالات کے جوابات بھی ارسال نہیں کر سکے، اس لیے اس ماہ میں انعامات بھی نہیں دیے جائیں گے، البتہ ہمارا وعدہ کے اگلے ماہ تو انعامات ضرور دیے جائیں گے۔

نوٹ: پیارے بچو! اس صفحے پر جو سوالات آپ سے پوچھے جاتے ہیں، ان کے جوابات ایک شمارہ چھوڑ کر اگلے شمارے میں ذکر کیے جائیں گے، تاکہ زیادہ سے زیادہ بچوں کے جوابات وصول ہو سکیں، پھر درست جواب دینے والوں کے نام بھی بتائیں گے اور اوّل، دوم، سوم کے لیے انعامات کا بھی۔

قربانی کا رنگ

محمد فیصل علی

دوپہر کا کھانا کھایا جا چکا تھا۔ پورا گھرانہ دستر خوان پہ جمع تھا۔ آج بھی وہاں عیدالاضحیٰ کے موضوع پر باتوں کا بازار گرم تھا۔ ''بس! بہت ہو گیا اب۔ مسئلہ صرف قربانی کا ہے اور تم لوگوں نے اسے مسئلہ کشمیر بنا لیا ہے۔'' ابّا جان کی گرج دار آواز سن کر سب سہم گئے۔ تھوڑی دیر سنّاٹا چھایا رہا' پھر بڑے بھائی جان کی آواز سنائی دی: ''ہم تو صرف یہی چاہ رہے تھے کہ بکرا عمدہ ہونا چاہیے۔ اللہ کے نام پہ قربان ہو رہا ہے تو مریل قسم کا نہ لے آیئے گا۔''

''اگر یہی بات پہلے کر دیتے تو کیا برائی تھی؟'' امی جان نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''پہلے بھی ہم یہی کہہ رہے تھے۔'' بھائی جان نے برا سا منہ بنایا۔ ''مگر۔۔۔!'' منّے میاں کی زوردار آواز سن کر سب ہی چونکے۔

''تمہیں کیا ہوا۔۔۔؟؟'' امی جان نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''مگر بھائی جان! پہلے تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ بکرا سفید رنگ کا ہو' اس کے ماتھے پر سیاہ نشان ہو اور اس کے سینگ مڑے ہوئے ہوں اور۔۔۔'' منّے میاں ابھی بتا ہی رہے تھے کہ ابّا جان نے اس کی بات کاٹ دی اور بولے: ''اور وہ الٹی گنتی گن سکتا ہو اور انگریزی بھی بول لیتا ہو۔۔۔ یہی بات ہے نا؟'' ابّا جان نے جلے کٹے لہجے میں کہا' پھر وہ گویا ہوئے:

''اللہ کے بندو! صاف ستھرا' صحت مند' بے عیب جانور لو اور قربان کرو۔ یہ تو بنی اسرائیل والا طرزِ عمل ہوا کہ ایسا ہو' ویسا نہ ہو' جیسے انھوں نے گائے کی قربانی کے موقع پر کیا تھا۔''

''ابّو! سبھی بچے اپنے پیارے' خوب صورت بکروں کے ساتھ ''سیلفی تصویر'' بنا کر سوشل میڈیا پہ ڈالیں گے اور ہمارا بکرا آپ عام سا لے آئیں گے۔'' اجود نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔ ''اف۔۔۔! توبہ' توبہ' کیا زمانہ آ گیا ہے۔ ریاکاری کی بھی حد ہوتی ہے۔ کیا تم لوگ دکھاوے کے لیے کر رہے ہو یہ سب۔۔۔؟ لوگ تو فیس بک استعمال کرتے کرتے نیم پاگل ہو گئے ہیں۔ کیا تم بھی ویسے ہی بننا چاہتے ہو؟'' ابّا جان کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' اچانک دروازے سے ماموں جان کی آواز سنائی دی۔

”وعلیکم السلام!“ سب نے جواب دیا اور ماموں جان ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ یہ لوگ بکرے کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے یہ بھول گئے تھے کہ ان کے گھر ایک عدد مہمان بھی موجود ہیں اور وہ شخصیت ماموں جان کی تھی‘ جو آج صبح تشریف لائے تھے۔ اس وقت وہ ظہر کی نماز ادا کر کے لوٹے تھے اور اب گھر واپسی پر باتوں کا شور سن کر ادھر آ گئے تھے۔

ماموں جان نے ایک طائرانہ نظر سب پر ڈالی اور پھر وہ مسکرا دیے اور بولے: ”میری گھڑی پہ تو ڈھائی بجے ہیں‘ مگر آپ سب کے چہروں پہ بارہ کیوں بجے ہیں بھئی۔۔۔؟“

”درست فرمایا آپ نے بھائی جان اور بہت اچھے وقت پہ تشریف لائے ہیں آپ۔“ ابّا جان نے ماموں جان کی تائید کی اور پھر دوبارہ سلسلہ کلام شروع کیا۔ ”بات یہ ہے بھائی جان! کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے لیے بکرا خریدنا ہے۔ میں نے یہ بات جیسے ہی بتائی سب لوگ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے کہ بکرا ایسا ہو‘ رنگ فلاں ہو‘ سینگ اتنے انچ کے ہوں وغیرہ وغیرہ گویا بکرا نہ ہوا کوئی رشتہ ہو گیا۔“

”اچھا تو پھر کیا طے ہوا؟“ ماموں جان نے پوچھا۔

”طے کیا ہونا ہے بھائی جان! آپ ہی ان کو سمجھائیں کہ قربانی کا مقصد کیا ہے؟ میں تو سمجھا سمجھا کے تھک چکا ہوں۔“ ابّا جان نے کہا۔

”ٹھیک ہے! ویسے یہ سب ہی سمجھ دار ہیں۔“ ماموں جان مسکرائے۔

انھوں نے ایک نظر سب کو دیکھا اور بولے: ”بچو! آپ سب جانتے ہیں کہ ہم قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ادا کرنے کے لیے کرتے ہیں اور سنت کا مطلب ہوتا ہے کسی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کوئی کام کرنا‘ مطلب یہ کہ قربانی کی درست سنت تب ادا ہو گی جب ہم اسے اسوۂ ابراہیمی کے مطابق ادا کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا حکم ادا کرتے ہوئے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔ یوں اس عملی اقدام سے انھوں نے اپنی تمام تر خواہشات کو بھی پسِ پشت ڈال دیا تھا اور وہ آزمائش میں کامیاب ہوئے۔ قرآن مجید نے اس کو بہت بڑی آزمائش قرار دیا۔ اگر ہم سوچیں تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کتنی بڑی آزمائش تھی۔ باپ خود اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کے حلق پر چھری چلا رہا تھا۔ رشتہ‘ پیار‘ خواہش‘ محبت‘ مستقبل‘ تمام چیزیں ایک ساتھ قربان ہو رہی تھیں‘ مگر ہم آج کل یہ سنت کیسے ادا کرتے ہیں؟؟

کچھ لوگ تو مریل قسم کے سستے ترین جانور خرید کر قربان کرتے ہیں‘ حالاں کہ وہ صاحبِ استطاعت بھی ہوتے ہیں‘ اس کے علاوہ کچھ لوگوں پہ صرف ریاکاری کا بھوت سوار ہوتا ہے اور وہ روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں اور اپنے خریدے ہوئے جانور کی خوب تشہیر کرتے ہیں‘ حالاں کہ وہ صحت مند‘ بے عیب جانور خریدتے تو ہیں اس رقم سے‘ مگر ایک کے بجائے اگر تین چار نفلی قربانیاں ہو سکتی ہوں اور بہت سے غریب افراد کے پاس بھی قربانی کا گوشت پہنچ سکتا ہو تو اس سے بڑھ کر اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔۔۔! مگر ہم عجیب لوگ ہیں۔ صرف اپنی خواہشات کو دیکھتے ہیں‘ جس کے نام پہ قربان کیا جا رہا ہے‘ اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے اور یوں ہم ایک رسم تو ادا کر دیتے ہیں‘ مگر قربانی کی اصل روح کو حاصل نہیں کر پاتے تو بچو! آپ کچھ سمجھے؟؟“ ماموں جان نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”ماموں جان! باقی لوگوں کا تو پتہ نہیں مگر مجھے بے حد شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ میں نے بڑا ہونے کے باوجود اس نامناسب فرمائش میں حصہ ڈالا۔“ بھائی جان نے سر جھکا کر کہا۔ ”نہیں ارحم! ایسی کوئی بات نہیں ”دیر آید درست آید۔“ ماموں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

”ماموں آپ کی باتیں ہمارے دلوں میں اتر گئی ہیں‘ مگر ابو سے ایک فرمائش ہے صرف۔۔۔!“ اجود نے کہا تو سب چونک گئے۔

”اف‘ میرے اللہ! ماموں نے اتنی محنت سے سمجھایا ہے‘ مگر ابھی بھی فرمائش کا ایک جرثومہ باقی ہے۔“ ابو نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”بولو اجود۔“ ماموں نے پوچھا۔ ”ماموں! ہم قربانی کے لیے صحت مند‘ بے عیب بکرا لیں گے‘ مگر ہم ایک نہیں دو بکرے لیں گے۔“ وہ بولا۔

”دو کیوں؟“ کئی آوازیں ایک ساتھ اُبھریں۔

”ہم ایک نفلی قربانی کریں گے اور اس کا سارا گوشت محلے کے ان گھرانوں میں تقسیم کریں گے‘ جن کی قربانی کرنے کی استطاعت نہیں ہے۔ کیا ہم یہ ”قربانی“ بھی نہیں دے سکتے۔۔۔؟“ اجود کی آواز سنائی دی۔

”ہم اجود کے ساتھ ہیں۔“ سب بچوں نے ہاتھ اٹھا دیے۔

”اور میں بھی۔“ یہ آواز ابو جان کی تھی۔ سب نے دیکھا کہ وہ مسکرا رہے تھے۔

”اور ہم اس نفلی قربانی کا ثواب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائیں گے‘ ان شاء اللہ!“

”ان شاء اللہ!“ سب ایک ساتھ بولے۔

”یہ ہُوا نہ قربانی کا اصلی رنگ! اسے کہتے ہیں قربانی پہ قربانی اور ایثار!“ منّے میاں نے جوش کے عالم میں کہا اور سب مسکرا دیے۔

شہیر، حسن بھائی کا بکرا دیکھ کر حسرت سے سوچنے لگا کہ ”کاش! یہ بکرا میرا ہوتا۔“

سفید اور کالا چتکبرا بکرا، بڑے بڑے سینگ، فربہ جسم۔۔۔ حسن بھائی کے بکرے کو جو بھی دیکھتا، متاثر ہو جاتا۔

شہیر کی امی حسن بھائی کے گھر صفائی کا کام کرتی تھیں۔ شہیر کبھی کبھی امی کے ساتھ ان کے ہاں آ جاتا تھا، چوں کہ بقر عید قریب تھی، ہر گلی، محلے میں رونق لگی ہوئی تھی۔ بچے، بڑے سب بکرے، گائے اور بیل کے متعلق ہی گفتگو کرتے نظر آتے تھے۔ کہیں ”گائے آئی“ کا شور سنائی دیتا تو سارے ہی بچے جمع ہو جاتے اور پھر یک سوئی سے گائے کو ٹرک سے اترنے کا منظر دیکھا جاتا۔ اس کی رسّی تھامی جاتی۔

شہیر کا بھی بہت دل چاہ رہا تھا کہ ”وہ ایک خوب صورت بکرے کا مالک بن جائے، پھر اس کو نہلائے دھلائے، رنگ برنگ موتیوں والی مالا اس کے گلے میں پہنائے، چھن چھن کرتے کڑے اس کے پیروں میں ڈالے اور پھر اس کی رسّی تھامے گلی گلی گھومتا پھرے، مگر وہ تو ایک غریب ماں کا بیٹا تھا، اس کی یہ خواہش خواب میں ہی پوری ہو سکتی تھی۔

شہیر انہی خیالوں میں گم تھا کہ حسن بھائی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ”شہیر۔۔۔“ حسن بھائی نے آواز دی۔

”ج جج جی۔۔۔ حسن بھائی!“ شہیر چونکا۔ ”بھئی! کہاں گم ہو؟“ حسن بھائی نے پوچھا۔ ”ک کک کہیں۔۔۔ نہیں۔“ شہیر گڑبڑا گیا۔

حسن بھائی نے گویا اس کی چوری پکڑ لی۔ حسن بھائی نے محبت بھری نگاہ سے اسے دیکھا اور کہا: ”اِدھر آؤ۔۔۔! بکرے کو نہلاتے ہیں، پھر اسے تیار کر کے گھمانے چلیں گے۔“ حسن بھائی نے تو شہیر کی دل کی بات ہی کہہ دی، لیکن پہلے تو شہیر جھجھکا، مگر پھر حسن بھائی نے اسے پیار سے ڈانٹا کہ ”یار! ہم ایک ہی ہیں۔“ تو شہیر کی ساری جھجھک اُڑن چھو ہو گئی۔ حسن بھائی شہیر سے پانچ چھ سال بڑے تھے، نہایت ملن سار اور نرم خو طبیعت کے مالک تھے۔ وہ بہت جلد حسّیات کو محسوس کر لیتے تھے اور آج بھی انھوں نے شہیر کی آنکھوں میں حسرت کی پرچھائی کو منٹوں میں محسوس کر لیا تھا۔ اب شہیر گلی گلی بکرے کی رسّی تھامے حسن بھائی کے ساتھ گھوم رہا تھا اور تشکّر آمیز نگاہوں سے حسن بھائی کو دیکھ رہا تھا، جنھوں نے امیر غریب کے فرق کو ختم کر دیا تھا اور شہیر جیسے غریب بچے کو سچی خوشی سے نوازا گیا تھا۔

اس بار عید پر شہیر بے حد خوش تھا، کیوں کہ حسن بھائی نے بکرے کی کٹائی اور دیگر معاملات میں اسے اس طرح ساتھ رکھا تھا گویا یہ حسن بھائی کا نہیں شہیر کا بکرا ہو۔ شہیر بھی بکرے کو قربان گاہ لے جاتے وقت بہت دکھی تھا، مگر پھر حسن بھائی نے اسے ثواب کی نوید اور قربانی کے چند فضائل سنا کر خوش ہونے کو کہا، جس سے شہیر کا دکھ کچھ کم ہوا، مگر اتنے دنوں سے بکرے سے مانوس ہو جانا اور اب اس طرح بچھڑنا فطری طور پر اداسیت پیدا کر رہا تھا اور پھر جب قصائی انکل نے ”بسم اللہ اللہ اکبر“ کہہ کر بکرے کی گردن پر چُھری پھیری تو شہیر کی سسکیاں بندھ گئیں۔

حسن بھائی نے گوشت کا سب سے اچھا حصہ شہیر کو ٹوکری میں ڈال کر دیا کہ ”اسے اپنے گھر لے جاؤ۔“ شہیر کی آنکھوں میں خوشی، غم اور تحیر کی ملی جلی کیفیت ابھری جسے حسن بھائی نے شہیر کا کندھا تھپتھپا کر کم کیا اور شہیر ٹوکری اٹھا کر چلتے چلتے حسن بھائی کو ”جزاک اللہ خیرا“ کہنا نہ بھولا۔

آخر ہم نے بیل کاٹ ہی لیا

لوگوں کا ہجوم اور اوپر سے سورج ''بھیّا'' کے گرما گرم تھپیڑے 'اللہ معاف کرے! یہ منڈی تو گویا قیامت کا سماں معلوم ہو رہی تھی' بلکہ قیامت ہی تھے۔ گائے' بیل' بھینس' بکری اور اونٹ سب نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا اور قوم ساری ان کی خدمتِ اقدس میں باری باری حاضری دیتے پھر رہے تھے۔ کوئی چارہ' کوئی گھاس پوس' کوئی پانی تو کوئی کیا اور کوئی کچھ۔

اسی منظر میں وقت گزرتا رہا اور تفصیلی جائزہ لیتے لیتے ہمیں ظہر ہو گئی۔ ظہر کی نماز پڑھ کر میں مسجد سے نکلا تو ابا کے ہاتھ میں ایک موٹے تازے بیل کو رسیوں میں جکڑا ہوا پایا۔ کھاتے پیتے خاندان سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ شرافت بھی حضرت (بیل) کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ گوری رنگت کا مالک 'آواز اور سینگوں میں بھی پنجاب کے وڈیروں سے مشابہت رکھتا تھا۔ جب پاؤں پر نظر پڑی تو صاحب نے بوٹ بھی پہن رکھے تھے۔ بیل کی یہ حالت دیکھ کر یوں لگا کہ ٹیسٹ میچ میں وَن ڈاؤن پلیئر میدان میں اُتر آیا ہو۔

گاڑی تو پہلے ہی سے تیار تھی' اب صرف بیل کو چڑھایا اور جلد ہی اپنی گلی میں پہنچ گئے۔ بیل صاحب کا استقبال بچوں کے شور و غل ''اَلہ غُوا' اَلہ نادیدہ'' اور اس جیسے بے شمار جملوں سے کیا گیا۔ بیل نے وڈیروں کی آواز سنتے ہوئے پاؤں ہَوا میں یوں بلند کیے کہ وہ ''شیفو ماسٹر'' کا شاگرد ''بانڈا'' ہو۔

''ارے' ذرا ہٹ کے۔۔۔!'' ابّا نے مجھے آواز دی۔ میں بھی پُھرتی سے ایک طرف کو ہو گیا' اس طرح ایک بھاری لات لگنے سے بچ گیا' ورنہ بیل نے تو اپنی لات سے میری پسلیاں توڑ ہی ڈالنی تھی۔ ''اللہ خیر کرے! یہ کیا بَلا ہے۔۔۔؟'' چچا نے گھورتے ہوئے کہا۔ ''چچا جان! آپ اسے بلا کہہ رہے ہیں' گوالے نے تو اس کا نام ''ببلو'' رکھا ہوا تھا۔ میں نے جب ''ببلو'' نام رکھنے کی وجہ پوچھی تو ہنس کر کہنے لگا: بیٹا! صرف اس کے ''گولو! مولو!'' ہونے کی وجہ سے۔'' میں نے چچا جان کو آگاہ کیا۔

چاند رات ہو' بندہ بیل کے ساتھ ہو' کیا ہی بات ہے پر تھکے ہارے جسم نے ساتھ نہ دیا اور یوں ہم یہ موقع گنوا گئے۔ صبح کو ہم سب نے بیل کی الوداعی زیارت کی' پھر کچھ دیر میں چھری اس کے گلے پر پھِرتے دیکھی اور یوں ''آخر ہم نے بیل کاٹ ہی لیا۔'' **مرسلہ: عزیر' متعلّم جامعہ بیت السلام**

عیدِ قرباں اور ہمارا کالا بیل

بدھ کا دن تھا۔ طلبا عیدِ قرباں کے سلسلے میں اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ میں عید کی شاپنگ کرنے کے لیے بازار کی طرف نکلا۔ تمام چیزیں پُر سکون تھیں۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ دکانوں پر خریداروں کا رش تھا۔ میں ایک ٹھیلے کی طرف بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب لوگ میرے پیچھے خوف زدہ اور پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ دیکھنے لگے۔ اچانک میں پیچھے مڑا تو دیکھتا ہوں کہ ایک کالا بیل بڑے بڑے سینگوں والا آندھی کی رفتار سے میری طرف بڑھ رہا ہے' خوف کے مارے میری حالت ہی بگڑ گئی گویا کہ زمین نیچے سے نکل گئی' دماغ نے کچھ کام نہیں کیا تو فوراً میں نے راستے کے اس پار چھلانگ لگائی' جس کی بدولت اللہ نے مجھے بال بال بچایا۔ جلدی سے میں اٹھا' تحقیق کی تو پتا چلا کہ یہ ہمارا کالا بیل ہے' لہٰذا میں بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ بیل' بچوں کے شور شرابے کی وجہ سے آپے سے باہر تھا' اس نے سیدھا بازار کی طرف اپنا اسٹیرنگ پھیر دیا۔ دکان داروں نے اپنی عافیت اسی میں جانی کہ دکانوں کو پُرسان حال چھوڑ کر کسی محفوظ مقام پر چلے جائیں۔ بیل نے جب مَطلع صاف دیکھا تو دکانوں کا وہ حشر کیا کہ دوسری جنگِ عظیم یاد آ گئی۔ پکوڑے والی دکان کا تو پکوڑا ہی بنا دیا۔ سامان بکھرا ہوا دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ کروز میزائل بلاسٹ ہوا ہے۔ خیر! بیل بازار کا حشر نشر کر کے روڈ کی طرف نکل پڑا۔ پیچھے سے بچوں کا شور اور بڑوں کا زور اسے اور بدکانے لگا۔ آخر خدا خدا کر کے مغرب سے کچھ پہلے بیل ہاتھ آیا اور صبح نمازِ عید ہوتے ہی ہم نے بیل کو زمین پر پٹخ دیا اور چھری' بیل کی گردن پر رکھ کر آخر کار بیل کو ذبح کر ہی ڈالا۔ **عبید اللہ' متعلّم جامعہ بیت السلام**

بنٹو بکرا

سویرا فلک

بلو میاں آج بہت ہی خوش تھے‘ کیوں کہ آج صبح ابو نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آفس سے آکر بلو میاں کو منڈی لے کر جائیں گے اور ان کا مَن پسند بکرا دکھا کر لائیں گے۔ ابو آفس سے آکر نہا دھو کر‘ چائے پینے بیٹھے تو بلو میاں تیار ہو کر ابو کے سامنے آ بیٹھے۔ ابو نے مسکرا کر انھیں دیکھا اور کہا: ”ہاں‘ تو بلو میاں آپ تیار ہیں منڈی چلنے کے لیے؟“

”جی ابو! میں بالکل تیار ہوں۔“ بلو میاں کھڑے ہوئے تو ابو کے ساتھ بیٹھی چائے پیتی ہوئی امی بھی مسکرا دیں۔ ”ارے‘ ارے بلو میاں! اپنے ابو کو چائے تو ختم کر لینے دیں۔“ پھر بلو میاں کے ابو کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں: ’بلو میاں آج تو بار بار گھڑی ہی دیکھتے رہے کہ کب آپ آفس سے آئیں اور کب انھیں منڈی لے جائیں۔“

”اچھا‘ جی۔۔۔ تو یہ بات ہے۔ چلیں! پھر بلو میاں آپ کا انتظار ختم ہوا۔“ ابو نے چائے کا کپ ٹرے میں رکھا اور موٹر سائیکل کی چابی جیب سے نکال کر کھڑے ہوگئے تو بلو میاں بھی تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے ابو کے پیچھے چل دیے اور ان کی بے قراری دیکھ کر امی مسکراتی ہوئی چائے کی ٹرے اٹھا کر کچن کی جانب چل دیں۔

❊❊❊

منڈی پہنچ کر تو بلو میاں کے جوش و خروش میں اور اضافہ ہو گیا۔ چاروں طرف سے گائے‘ بیل اور بکروں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بیچنے والے بڑھ چڑھ کر بولیاں لگا رہے تھے تو خریدنے والے قیمت کم کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ بلو میاں بھی ابو کے ساتھ مَن پسند بکرا تلاش کرنے میں جُت گئے۔ آخر کار بھورے اور سفید بالوں والا درمیانے قد کا معصوم سا بکرا بلو میاں کی آنکھوں کو بھایا اور ابو کی جیب کو بھی۔

ابو نے بکرے اور بلو میاں کو رکشے میں سوار کرایا اور خود بائیک پر ان کے ہم راہ چل دیے۔ گھر پہنچے تو باہر دروازے پر بلو کو بکرے کے ساتھ رکشے سے اترتا دیکھ کر ان کے دوستوں نے ان کے گرد ڈیرا ڈال دیا۔ ابو نے بکرے کی رسی تھامی اور صحن میں لا کر باندھا اور خود کسی دوسرے کام کے لیے دوبارہ بازار روانہ ہو گئے۔ اب بکرا تھا‘ بلو میاں اور ان کے دوست۔۔۔ پہلے تو بکرے کا خوب اچھی طرح جائزہ لیا گیا۔ اکمل نے بکرے کی پشت پر ہاتھ پھیر کر موٹائی کا اندازہ لگایا تو عامر نے کان اٹھا کر لمبائی چیک کی‘ پھر بلو میاں نے امی کی ہدایت پر ایک بالٹی میں بکرے کے لیے پانی لا کر رکھا۔ افضل نے چارے کی گڈی کھول کر بکرے کے منہ میں کچھ ایسے گھسائی کہ آدھے تنکے اس کے نتھنوں میں گھس گئے۔ اب بکرا کبھی گھاس کھانے کے لیے چارے کی طرف منہ کرے تو کبھی نتھنوں

کو تنکوں سے بچانے کے لیے اپنے منہ کو جھٹکے سے دوسری طرف پھیرے۔ اس کی یہ بے چینی دیکھ کر بلو میاں اور ان کے دوست خوب محظوظ ہوئے۔

کچھ دیر بعد ابو واپس آگئے اور امی نے دستر خوان لگا کر بلو میاں کو آواز لگائی۔ بلو میاں کا دل ابھی کھیل کود سے بھرا نہیں تھا کہ امی ابو کی ڈانٹ کے ڈر سے وہ دوستوں کو خدا حافظ کہہ کر کھانا کھانے چلے گئے۔ کھانا کھا کر ابو کے ہم راہ نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد ان کا ارادہ دوستوں کو بلانے کا تھا‘ مگر تھکن کے باعث اور نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کی وجہ سے مجبوراً انھوں

نے بستر کی راہ لی اور جلد ہی نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔

❃❃❃

رات جلدی سونے کی وجہ سے یا بکرے کی "مَیں مَیں" کی آواز کے باعث بلو میاں کی آنکھ فجر سے گھنٹہ بھر قبل ہی کھل گئی' کچھ دیر تو بلو میاں یوں ہی لیٹے رہے' پھر کسی خیال کے تحت اٹھ کر صحن کی طرف چلے آئے' مگر اس سے قبل کہ وہ صحن میں بندھے بکرے کے پاس آتے ایک نامانوس آواز نے ان کے قدم روک لیے۔ "کہیں کوئی چور تو نہیں آگیا؟" بلو میاں نے دل ہی دل میں خود کلامی کی۔ پھر انتہائی آہستگی سے قدم اٹھاتے' صحن کے عقبی حصے میں لگے درخت کے پیچھے آ کھڑے ہوئے۔ مدھم چاند کی روشنی میں بولنے والا چہرہ انھیں صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا' تاہم آواز اب قدرے صاف آ رہی تھی۔

"میں نے تو سنا تھا کہ لوگ ہمیں بہت پیار سے رکھتے ہیں' مگر یہاں آ کر میں بہت مایوس ہو گیا ہوں۔ کسی کو مجھ سے پیار نہیں۔ میرے لیے پانی جس برتن میں رکھا گیا' وہ اتنا چھوٹا ہے کہ کوئی میرے کان کھینچ رہا ہے تو کوئی گھاس کی سخت ڈنڈیاں نتھنوں میں چبھو رہا ہے اور کسی کو احساس نہیں کہ میں بھی جاندار ہوں' مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ میاں! میں آپ کی راہ میں قربان ہو کر اور اپنی جان دے کر ان لوگوں کی نیکیوں میں اضافے کا باعث بن رہا ہوں اور میرے مالکان کو میری نہ قدر ہے' نہ احساس اور نہ ہی محبت۔ ایسی قربانی کیا کیا فائدہ۔۔۔؟ ایسی نیکی کا کیا فائدہ۔۔۔؟ مَیں' مَیں' مَیں۔"

"اُف میرے خدایا۔۔۔! یہ تو میرا بکرا ہے' جو اللہ پاک سے باتیں کر رہا ہے اور مجھے بکرے کی زبان کیسے سمجھ آ رہی ہے۔۔۔؟ یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ اُف! مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہو گئی۔ پہلے تو مجھے اپنے بکرے سے معافی مانگنی چاہیے۔" بلو میاں اس خیال کے آتے ہی آ کر بکرے سے لپٹ گئے اور کہنے لگے: "مجھے معاف کر دو' میرے پیارے بکرے! بے شک حسنِ سلوک اور اخلاق ہی بنیادی ایمان ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ میں تمھارا خیال رکھوں گا۔ بس! مجھ سے ناراض نہیں ہونا۔ اللہ پاک! آپ بھی مجھ سے ناراض نہیں ہونا۔ میں وعدہ کرتا ہوں! میں وعدہ کرتا ہوں!"

"بلو میاں اٹھیے۔۔۔! فجر کی نماز قضا ہونے لگی ہے اور یہ آپ کس سے کیا وعدہ کر رہے ہیں؟؟" امی نے بلو میاں کے گال تھپتھپاتے ہوئے پوچھا تو وہ پہلے حیرت سے امی کا چہرہ تکنے لگے' پھر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولے: "شاید میں نے خواب دیکھا تھا امی!"

"اوہ' اچھا! شاید کوئی اہم خواب تھا' جو آپ کے دل پر اثر کر گیا' جب ہی آپ نیند میں باتیں کر رہے تھے۔ چلیں آپ نماز پڑھ آئیں' پھر بتایئے گا اپنا خواب۔" امی نے انھیں نماز کے کپڑے پہنائے اور خود نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔

❃❃❃

اتوار کا دن تھا۔ ابو بھی گھر پر تھے۔ ناشتے پر جب امی نے ابو سے خواب والی بات کا ذکر کیا تو ابو نے بلو میاں کو تفصیل سے اپنا خواب سنانے کو کہا' پھر بلو میاں نے اپنا خواب امی ابو کو سنایا اور پوچھا:

"میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا ابو کہ میں بکرے کی زبان کیسے سمجھ رہا تھا؟"

"بیٹا! یہ سب اللہ کے کام ہیں۔ جب اللہ چاہتے ہیں تو بندوں کو خواب کے ذریعے ہدایت کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ میرے بیٹے! قربانی کرنا بہت اجر و ثواب کا کام ہے۔ محض قربانی کے جانور کا ہی نہیں' ہمیں ہر جاندار کا خیال رکھنا چاہیے۔ جب میرے ابو میرے لیے بکرا لاتے تھے تو میں اس کا بہت خیال رکھتا تھا' کیوں کہ اس عمل میں بھی اجر و ثواب پوشیدہ ہے اور ایک مزے کی بات بتاؤں۔ میں اپنے بکرے کا نام بھی رکھتا تھا۔" ابو نے کہا تو بلو میاں نے بھی نعرہ لگایا: "میں نے بھی اپنے بکرے کا نام رکھا ہے۔ میں نے اپنی درسی کتاب میں نظم پڑھی' وہ مجھے بہت پسند آئی تھی۔"

"اچھا! کیا نام رکھا ہے بھلا آپ نے؟" ابو نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "بنٹو۔۔۔ بنٹو نام رکھا ہے میں نے بکرے کا۔"

"واہ! یہ تو بڑا پیارا نام ہے اور اب ذرا نظم بھی سنا دو۔" امی نے بلو میاں کو گود میں بٹھاتے ہوئے کہا تو انھوں نے امی ابو کا ہاتھ پکڑا اور صحن میں بندھے بکرے کے پاس لے آئے اور بکرے کو خوب پیار کرتے ہوئے لہک لہک کر نظم سنانے لگے۔

میں موٹا سا بکرا ہوں
بکری میری امی ہیں
میں امی کا بیٹا ہوں
میں' میں۔۔۔ میں' میں
کل عید جب آئے گی
بچے مجھ سے کھیلیں گے
شیمپو سے نہلائیں گے
رنگوں سے سجائیں گے
گھاس بھی خوب کھلائیں گے
میرے نام بھی رکھے جائیں گے
بچے پیار سے سب ہی بلائیں گے
قربانی کو لے جائیں گے
میں' میں۔۔۔ میں' میں
ننّھے بچو دوڑ کے آؤ
آ کر بات میری سن جاؤ
جب بھی قربانی کرو تم
غربا کو بھی یاد رکھو تم
اللہ کو جو خوش کرنا ہے
خوشیاں سب مل بانٹنا ہے
میں' میں۔۔۔ میں' میں
میں' میں۔۔۔ میں' میں

حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح

جوہر عباد

آتی ہے پانچ بار مسجدوں سے یہ صدا
کہتا ہے مؤذّن ہر اِک اذان میں سدا
نماز دل کا چین، سکون و سرور ہے
امت کو بتاتے رہے محبوبِ کبریا ﷺ
ہوگی فضیلتِ نماز اِس سے بڑھ کے کیا
ہوگی فضیلتِ نماز اِس سے بڑھ کے کیا
بس ہو کے پاک صاف مکمل وضو کے ساتھ
ساری نمازوں میں نظر آئے یہ وَلولہ
کہنا نہیں نماز سے، کرنا ہے مجھے کام
افضل ہے وہ نماز، جو ہو وقت پہ ادا
دن رات میں تھوڑا سا وقت لیتی ہے نماز
ٹوٹے نہیں نماز کا پنج وقتی سلسلہ
بے شک برائیوں سے بچاتی نماز ہے
ملتا ہے نمازی کو ہدایت کا راستہ
پڑھتے ہوئے نماز رب سے بات ہوتی ہے
اِس سے بڑا کیا ہوگا نمازی کا مرتبہ
پہلا سوال حشر میں ہوگا نماز کا
کوشش کرو نماز نہ ہو کوئی قضاء
خود بھی پڑھیں نماز، بچوں کو سکھائیے
جوہرؔ بنے گا یہ عمل صدقۂ جاریہ

وقتِ فجر، ظہر، عصر، مغرب و عشاء
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
سردارِ دو جہاں کی آنکھوں کا نور ہے
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
قرآنِ پاک میں ہے ذکر سات سو دفعہ
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
پڑھیے ہر اِک نماز خشوع خضوع کے ساتھ
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
بلکہ نماز پڑھ کے کرو چھوٹے بڑے کام
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
بدلے میں دو جہان کا فیض دیتی ہے نماز
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
آدابِ زندگی بھی سکھاتی نماز ہے
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
بالواسطہ اللہ سے ملاقات ہوتی ہے
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
اے مومنو! نماز ہے ذریعہ نجات کا
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح
بچپن سے ہی نماز کا عادی بنائیے
حیَّ علی الصَّلوٰۃ، حیَّ علی الفَلَاح

گلدستہ

حمدِ باریٰ تعالیٰ

تُو ہمہ خیر و عطا، جودوسخا،لطف وکرم
حق تِری حمد کا کیا ہم سے ادا ہو معبود
جُز تِرے،کوئی نظر ہے، نہ تجلی، نہ حجاب
تجھ سے منسوب ہر اِک آئینہ غیب و شہود
لذّتِ بندگی پوچھے کوئی اُن کے دِل سے
ثبت ہے جن کی جبینوں پر تِری مہرِ سجود
کون ہے تیرے سوا آور سہارا اس کا
اپنی امیدؔ پہ ہو چشمِ کرم، ربِّ وَدُود

اُمیدؔ فاضلی

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ولی، اللہ کا وہ ہے ،جسے انؐ سے محبت ہے
مسلمانو! نبیؐ کا عشق ہی روحِ عبادت ہے
عمل کرنا انہیؐ کے حکم پر اور اُنؐ پہ مر مٹنا
یہی عینِ شریعت ہے،یہی رازِ طریقت ہے
متاعِ دو جہاں قربان، دردِ عشق پہ اُنؐ کے
یہ دردِ لادَوا ہی،درحقیقت وجہِ راحت ہے

عبدالستارؔ وارثی

14 اگست کا پیغام

پریشانی کے بادل ہر سو چھائے ہوئے ہیں‘ امید کا سورج مدہم پڑ چکا ہے‘ لبوں پر شکوے کا تانتا بندھا ہوا ہے‘ بجلی اور گیس کے ریٹ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں‘ ڈالر نے بھی بڑی اونچی پرواز بھر رکھی ہے‘ نئی حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے بازار میں خوف وہراس کا سماں ہے‘ تجارت ٹھپ ہو چکی ہے‘ غرض یہ کہ وطنِ عزیز مشکلات اور مصیبتوں کے طوفان کی زد میں آچکا ہے‘ عوام بدحواس ہو چکی ہے‘ ہر شخص کی زبان پر ناشکری کے بول ہیں‘ کوئی حکمرانوں کو کوس رہا ہے تو کوئی مہنگائی کا رونا رو رہا ہے‘ نوبت تو یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ لوگوں نے پاکستان کی اس نعمتِ عظمیٰ کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ’’اس ملک نے ہمیں دیا کیا ہے؟ یہ ملک ہوتا ہی نہیں تو اچھا تھا۔‘‘ نوجوان نسل کا تو یہ حال ہے کہ اب وہ اس پاک سرزمین میں رہنے کو تیار نہیں ہیں‘ جس کو ان کے آباؤاجداد نے اپنے تن‘ من‘ دھن‘ عزت واقارب کی قربانیاں دے کر حاصل کیا۔

آخر کریں تو کیا کریں۔۔۔؟ ان سب مسائل کا حل کیا ہے؟ کیسے ہم وطنِ عزیز کو اس دلدل سے نکالیں؟ جہاں دیکھو گھوپ اندھیرا ہے‘ راہِ نجات کا سراغ ہی نہیں ملتا‘ مگر اب بھی امید کی ایک کرن نظر آرہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ پاک اور تسلی بخش فرمان ہے: ’’لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ‘‘ ترجمہ: تم موجودہ نعمتوں پر شکر تو ادا کرو پھر ہمارا وعدہ ہے کہ ہم ضرور تمہاری ان نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے۔

جی ہاں! ہمارے معاشرے میں جس چیز کا فقدان ہے وہ شکر ہے۔ اگر ہم ان شکوے شکایات کو چھوڑ کر ربِ کائنات کا شکر ادا کرنے لگیں تو ذاتِ باری تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ وہ ہماری اس ڈوبتی کشتی کو کامیابی سے ہم کنار کر دیگا۔ اب یہ شکر صرف زبان کی حد تک نہ ہو‘ بلکہ ہمارے ہر ہر عضو سے محسنِ حقیقی کی احسان شناسی کا اظہار ہو اور اس کا آسان سا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی عطا کردہ کسی بھی نعمت میں اس کی نافرمانی نہ کریں اور یہی شکر کی حقیقت ہے۔ تو آیئے! ہم اس یومِ آزادی پر یہ عزم کریں کہ ہمیں اپنے پاکستان کو بچانا ہے اور اس کے لیے ہم شکر کے دامن کو تھامیں گے‘ کیوں کہ اللہ بھی سچا‘ اس کا کلام بھی سچا۔

مرسلہ: محمد سدیس‘ متعلّم جامعہ بیت السلام‘ کراچی

پاکستان زندہ باد

دوستو! دنیا میں جنت، ارضِ پاکستان ہے
اس سے اپنی زندگی اور اس سے اپنی شان ہے
اسی کے دم قدم سے زیست کا سامان ہے
اللہ کے بندوں کا مسکن ،یہ بہارستان ہے
یہ امانت اللہ کی ، ہم اس کے ذمہ دار ہیں
اور وطن کے واسطے، ہم تیر ہیں ،تلوار ہیں
شان و شوکت اس لیے کہ آج پاکستان ہے
ہے اسی کے دم قدم سے جو تمہاری شان ہے
حشر تک زندہ رہے،بس نام پاکستان کا
مسلماں کے دل میں یہ تو جز و ہو ایمان کا

حافظ عبدالقیوم

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

اگست 2019ء بمطابق ذی الحجہ 1440ھ

جامعہ بیت السلام کراچی میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی کے درس سے حدیث کی اعلیٰ تعلیم کا آغاز

حضرت شیخ الاسلام نے ”مشکوٰۃ شریف“ کی پہلی حدیث کا درس دیا، جدید دار القرآن کا افتتاح فرمایا اور جدید مطعم کا سنگ بنیاد بھی رکھا

یہاں حاضری میرے لیے سعادت ہے، اللہ یہاں سے ایسے علماء پیدا فرمائیں جو اپنی زندگیاں قوم وملت کی خدمت کے لیے وقف کردیں، حضرت شیخ الاسلام کے تاثرات

کراچی (نمائندہ خصوصی) جامعہ بیت السلام کراچی میں درس نظامی کے ساتویں سال کا آغاز کردیا گیا، جس کا افتتاح شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی کے درس حدیث سے ہوا، حضرت شیخ نے درجہ سابعہ کے نصاب میں شامل حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ کی پہلی حدیث کا درس دیا، اس موقع پر آپ کا کہنا تھا، مولانا عبد الستار دامت برکاتہم مدّت دراز سے فرمائش کررہے تھے کہ میں اس مبارک مدرسے میں حاضری دوں، لیکن مختلف عوارض کی وجہ سے آنا ٹلتا رہا، یہ حاضری میرے لیے مسرّت اور سعادت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور مولانا عبد الستار صاحب کا شکریہ جنہوں نے ہمیں موقع فراہم کیا، حضرت شیخ نے دعا دیتے ہوئے کہا: اللہ کرے یہاں سے ایسے علماء اور اہل اللہ پیدا ہوں جو اپنی زندگیاں قوم وملت کی خدمت کے لیے وقف کردیں، حضرت شیخ نے جدید دار القرآن کی عمارت کا افتتاح بھی فرمایا اور جدید مطعم کا سنگ بنیاد بھی رکھا۔ حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کا پورا درس اسی ماہِ اگست کے فہمِ دین میں بھی لگایا گیا ہے۔

جامعہ بیت السلام کیمپس ٹو کے طالبِ علم مصر کے عالمی مسابقہ حفظ میں شرکت کریں گے

وزارت مذہبی امور کے تحت محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام اسلام آباد کے مسابقے میں ملکی سطح پر پوزیشن حاصل کرنے پر انتخاب کیا گیا

13 سالہ سہیل بن شاکر نے ملکی سطح پر دوسری پوزیشن سے پہلے دو مراحل میں صوبائی اور ضلعی مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی

تلہ گنگ (پ ر) جامعہ بیت السلام کیمپس ٹو کے طالب علم سہیل بن شاکر مصر کے مقابلہ حفظ میں شرکت کریں گے، یہ انتخاب وزارت مذہبی امور کے ادارے محکمہ اوقاف کی طرف سے سرکاری طور پر ہوا ہے، تلہ گنگ ہی سے تعلق رکھنے والے سہیل بن شاکر نے اپنے ضلع چکوال میں ضلعی سطح پر مسابقہ حفظ قرآن میں شرکت کی جس میں طالبِ علم نے پہلی پوزیشن حاصل کی، اس کے بعد صوبائی سطح پر ایک مقابلے میں شرکت کی، اس میں بھی پہلی پوزیشن حاصل کی، اس کے بعد فیصل مسجد میں پورے پاکستان کے حفاظ طلبہ کے مسابقے میں شرکت کی جہاں سہیل بن شاکر نے دوسری پوزیشن حاصل کی، اس کارکردگی پر اب سہیل بن شاکر مصر کے عالمی مسابقے میں شرکت کریں گے

جامعہ بیت السلام کراچی کے جدید مطعم کی تعمیر کا آغاز، حضرت شیخ الاسلام نے سنگ بنیاد رکھا

3500 طلبہ بیک وقت کھانا کھا سکیں گے، تعلیم کے ساتھ ساتھ قیام، ناشتے، دو وقت کھانے اور علاج کے لیے بھی کوئی فیس نہیں لی جاتی

کراچی (پ ر) جامعہ بیت السلام میں تعمیرات کا سلسلہ جاری ہے، نئے ہاسٹل اور دار القرآن کی تعمیر تقریباً مکمل ہوگئی، جدید مطعم کی تعمیر کا آغاز کیا گیا، جس کا سنگِ بنیاد شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی نے رکھا، اس مطعم میں بیک وقت ساڑھے تین ہزار طلبہ کھانا کھا سکیں گے۔ یاد رہے جامعہ میں تعلیم کی کوئی فیس لی جاتی ہے نہ ہی قیام، ناشتے، دو وقت کھانے اور علاج کی مد میں کوئی فیس لی جاتی ہے۔ اہل خیر کی توجہ سے تمام اخراجات ادا کیے جاتے ہیں، تمام طلبہ کے لیے یکساں انتظامات ہیں۔

J.
FRAGRANCES
ZIYA
PLATINUM
ZIYA
PLATINUM
J.
J.
ZIYA
PLATINUM
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J. Fragrances.Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

Brighto™

Inspired by Nature

Brighto AllColor

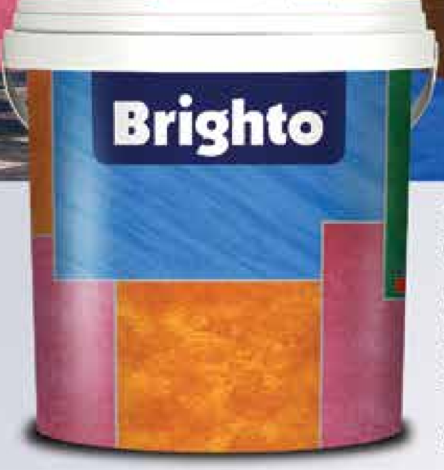

Regd.# MC - 1366

Décor assumes a different meaning with Brighto Special Coatings. They give your living space a prestigious decorative finish by creating a world of beauty, luxury and sophistication.

brighto.paints | Toll Free 08000-1973 | BrightoPaintsPK | www.brightopaints.com

Brighto PAINTS